بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً ومصلیاً

عکسِ دروں

سلسلۂ مضامین	عنوانِ مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
صدائے حسن	جھوٹ نہ صرف گناہِ کبیرہ...... بلکہ ملک وملت اور معاشرے کے لیے بگاڑ کا سبب بھی	اداریہ	3
حالات حاضرہ	قائدِاعظم محمد علی جناح اور نظریۂ پاکستان	مفتی احسن فاروق امینؔ	7
اسلامی زندگی	پُرسکون زندگی	مولانا گل نواز ایوبی	12
	ایمان کا اعلیٰ مقام اور ثمرات	مفتی ضیاء اللہ جان	15
	نعرۂ تکبیر اللہ اکبر	پروفیسر سید شفیق احمد ترمذیؔ	20
سیرتِ مصطفیٰ	برکاتِ نبوی ﷺ	جناب مولانا غلام عباس	24
بیاناتِ جمعہ	محرم الحرام کی اہمیت	مفتی غلام اللہ صاحب	27
	غصہ ختم کرنے کا نبوی علاج	======	35
ادبیات	مسلمانوں کی زبان عربی ہے	مولانا میاں شاہ عادل	41
دارالافتاء	سرکاری ملازم کا اپنی ڈیوٹی دوسرے کے حوالے کرنا	مفتی حمید اللہ جان	45
تحقیقی مقالات ومضامین	ایک رکعتِ وتر کی شرعی حیثیت ......غیر مقلدین کا فریب اور اس کا منہ توڑ جواب	مفتی کرامت شاہ	47
بزم طلبہ	اُف یہ مہنگائی!	متخصص: عبداللہ حیات	54
اخبار جامعہ	جامعہ کے شب وروز	مولانا امجد علی حقانیؔ	56

زرِسالانہ اندرونِ ملک: 300 روپے۔ زرِسالانہ بیرونِ ملک: 20 ڈالر

ای میل ایڈریس: atifshah336@gmail.com // Muftifahim@gmail.com

ویب ایڈریس: www.alhasan.org

اکاؤنٹ نمبر: میزان بینک: 8101.0100843213 // MCB: 0284.1002564

﴿صدائے حسن﴾

جھوٹ نہ صرف گناہ کبیرہ...... بلکہ ملک وملت اور معاشرے کے لیے بگاڑ کا سبب بھی

لفظ ''جھوٹ'' کوعربی زبان میں ''کذب'' کہتے ہیں۔خلافِ واقعہ کسی بات کی خبر دینا، چاہے وہ خبر دینا جان بوجھ کر ہو یا غلطی سے ہو؛ جھوٹ کہلاتا ہے۔اگر خبر دینے والے کو اس بات کا علم ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ گنہگار ہوگا، پھر وہ جھوٹ اگر کسی کے لیے ضرر کا سبب بنے، تو یہ گناہِ کبیرہ مزید بڑا اور قبیح ہو جاتا ہے، ورنہ گناہ تو بہر صورت ہے۔

قرآن وحدیث میں جھوٹ کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے اور اس کو دنیا وآخرت کے لیے نقصان دہ قرار دیا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾

(ق:۱۷،۱۸)

ترجمہ:''یعنی ان میں سے ایک فرشتہ اس کے داہنی طرف رہتا ہے اور دوسرا اس کے بائیں جانب، وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا، مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔''

یعنی انسان کوئی کلمہ جسے اپنی زبان سے نکالتا ہے، اُسے یہ نگراں فرشتے محفوظ کر لیتے ہیں۔یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں، خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب اور خیر یا شر ہو یا نہ ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں:

کہ ''حضرت حسن بصریؒ نے آیتِ مذکورہ **﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾** تلاوت فرما کر کہا: ''اے ابن آدم! تیرے لیے نامۂ اعمال بچھا دیا گیا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں، ایک تیری داہنی جانب، دوسرا بائیں جانب، داہنی جانب والا تیری

حسنات کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو۔اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر، اور کم کر یا زیادہ۔یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامۂ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا، جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا، یہاں تک کہ جب تو قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا ''اب اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لیے کافی ہے۔' پھر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: کہ خدا کی قسم !اس ذات نے بڑا عدل وانصاف کیا، جس نے خود تجھ کو ہی تیرے اعمال کا محاسب بنایا۔

اسی طرح مزید لکھتے ہیں: کہ

''امام احمدؒ نے بلال بن حارث مزنیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی رضائے دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں۔اسی طرح انسان کوئی کلمہ اللہ کی ناراضگی کا (معمولی سمجھ کر) زبان سے نکال دیتا ہے، اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ و وبال کہاں تک پہنچے گا؟ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضگی قیامت تک کے لیے لکھ دیتے ہیں۔'' (معارف القرآن: ۸/ ۱۸۱، ۱۸۲)

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَنَجْعَلُ لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ﴾ (آلِ عمران: ٦١)

ترجمہ: ''پس ہم لعنت کریں گے اللہ کی اُن پر جو کہ جھوٹے ہیں۔''

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ." (صحيح بخاري، حديث: ٣٤)

ترجمہ:''جس میں چار خصلتیں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، تا آں کہ وہ اسے چھوڑ دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالم گلوچ کرے۔''

درجہ بالا آیات واحادیث سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جھوٹ بولنا کتنا بڑا جرم ہے،لیکن اس کے دوررس نقصانات جاننے کے باوجود عام طور پر اس سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔ چاہے مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا گدا؛ غرض ہر ایک جھوٹ کا ارتکاب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ چنانچہ اپنے ماحول ومعاشرے پر ذرا نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ نہ صرف غریب بلکہ حکمران طبقہ بھی جھوٹ بولنے سے دریغ نہیں کرتا۔جیسا کہ کچھ پارٹیوں والوں نے جھوٹ ہی کی بنیاد پر اپنی حکومت جمائی تھی یعنی ان کی ساری حکومت جھوٹ کے بیانیہ پر قائم تھی،جس کا الیکشن کمیشن نے فیصلہ سنایا کہ ان کو باہر ممالک سے ممنوعہ فنڈنگ ہوئی ہے، تو جس بات کو وہ دیگر پارٹیوں کی طرف منسوب کر کے ان کی کردارکشی کر رہے تھے اور خود کو ان جیسی چیزوں سے پاک قرار دے رہے تھے،خود وہی چیز ان کے گلے پڑ گئی۔

وطن عزیز میں پروپیگنڈے اور جھوٹ کی سیاست نے ہر طرف تباہی مچادی ہے۔حکومتی اداروں سے اعتماد اٹھ رہا ہے۔ ہیلی کاپٹر حادثے میں شہید ہونے والوں پر بھی سیاست ہورہی ہے اور مخالف پارٹیوں پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ امریکیوں کو اڈے دے کر اپنے لوگوں کو شہید کروایا جارہا ہے،افغانستان کے حملوں کو بھی پاکستانی اداروں سے جوڑا جارہا ہے۔ان پروپیگنڈوں سے وقتی طور پر اگرچہ ان کے جھوٹے بیانیے کو تھوڑی بہت تقویت مل جاتی ہے،لیکن اس سے وطن عزیز اور اس کے مقدس اداروں کی جو بین الاقوامی بے عزتی ہورہی ہے،اس کی طرف یا تو ان حضرات کا دھیان نہیں ہے یا دھیان تو ہے،لیکن ان کا ایجنڈا اور بیانیہ ان کی نظر میں ملکی مفادات سے بڑھ کر ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اپنے فرضی بیانیے اور پروپیگنڈے کو تقویت دینے کے لیے باقاعدہ لوگ مقرر کیے ہیں جو سوشل میڈیا پر روزانہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پوسٹیں اور کمنٹس کر کے ملکی وقار اور معیشت

کو کمزور کر رہے ہیں۔ کچھ ناسمجھ لوگ، بلکہ کچھ تعلیم یافتہ لوگ بھی لاشعوری طور پر اس منفی پروپیگنڈے کی زد میں آجاتے ہیں اور وہ بھی اس کی مزید تشہیر کرنے لگ جاتے ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آجائے تو پہلے اس کی تحقیق کیا کریں۔ایسا نہ ہو تم اس خبر کی وجہ سے کسی قوم پر چڑھائی کر کے اسے نقصان پہنچاؤ اور بعد میں پشیمانی کا شکار ہو جاؤ۔(الحجرات)

لہذا عوام کا بھی فرض بنتا ہے کہ جوش سے نہیں بلکہ ہوش سے کام لیں، کسی بھی پارٹی میں شمولیت یا کسی کو اپنا مقتدا بنانے سے پہلے خوب سوچ لیا کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی ظالم اور فاسق وفاجر کی تقویت کا سبب بنیں تو مفت میں آپ اس کے ظلم وجور میں برابر شریک ہوں گے اور آپ کو پتہ بھی نہیں ہوگا۔

نیز مقتدر اداروں کا بھی فرض بنتا ہے کہ جب بھی کسی سیاسی لیڈر یا حکمران کا جھوٹ اور منفی پروپیگنڈہ سامنے آئے تو فوراً اس پر ایکشن لے لینا چاہیے، تا کہ اس کا سد باب ہو سکے اور ملک وملت اور باشندگان وطن کے لیے دنیا میں بے عزتی اور پریشانی کا باعث نہ بنے، ورنہ اس کے نتیجے میں جتنا بھی نقصان ہوگا، اس میں سب برابر کے شریک ہوں گے، کیونکہ قدرت وطاقت کے باوجود گناہ کے کاموں پر خاموش تماشائی بننا، گناہ میں شریک شمار ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سوچ اور ہوش نصیب فرمائے۔آمین!

ملفوظاتِ امام اعظمؒ

امام ابوحنیفہؒ کے سامنے جب کسی کا ذکر کیا جاتا تو فرماتے: کسی کی ایسی بات ہمارے سامنے نقل مت کرو جو اسے ناپسند ہو، جس نے ہمارے بارے میں کوئی غلط بات کہی، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے اور جس نے ہمارے لیے کوئی اچھا جملہ کہا تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔(ائمہ اربعہ کے دربار میں: ص15)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے: اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔کیا راحت ان کو ہو اور گناہ مجھ پر ہو۔(ائمہ اربعہ کے دربار میں: ص23)

﴿حالاتِ حاضرہ﴾

قائداعظم محمد علی جناح اورنظریۂ پاکستان

مفتی احسن فاروق امینی

حضرت مجدد الف ثانیؒ ، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ، حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ اور ڈاکٹر محمد اقبالؒ سمیت دوسرے اکابرین نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے فکری اور نظری تشخص کو اُجاگر کرنے کے لیے جس تحریک کا آغاز کیا، قائداعظمؒ نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

تحریک آزادی کے لیے قائداعظم دوسرے حریت پسندوں سمیت دن رات مسلسل کام کررہے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی صحت پر برا اثر پڑ رہا تھا، آپ کی بہن فاطمہ جناح جب آپ کی گرتی ہوئی صحت اور ہندوستان بھر کے مسلسل طوفانی دوروں پر اعتراض کرتیں تو قائداعظم یہ کہتے: کیا تم نے سنا ہے کہ جنرل نے چھٹی کی ہو، جب کہ اس کی فوج میدان جنگ میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہو؟

تحریک آزادی کی وجہ سے آپ نے اپنے مرض کو بھی صیغہ راز میں رکھا۔ جب آپ ٹی بی جیسے مہلک مرض کا شکار تھے تو آپ کے ڈاکٹر ''پٹیل'' ایکسرے دیکھ کر سوچنے لگے کہ وہ کس طرح زندہ ہیں؟ ڈاکٹر نے آپ کو تمام حقائق سے آگاہ کیا کہ آپ کے تمام طبی ذخائر ختم ہو رہے ہیں، آپ کو تمام کام چھوڑنے ہوں گے، لیکن آپ نے پروقار انداز میں جواب دیا: ڈاکٹر صاحب! میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنے پیشے کے تقدس کو برقرار رکھتے ہوئے میری حالت کے بارے میں کبھی بھی کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ ڈاکٹر آپ کے گھن گرج اور لہجے کی تمکنت دیکھ کر حیران ہو گیا اور آپ کی بیماری کو راز میں ہی رکھا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن اس راز کو **well Guarded Secret** کا نام دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے سوانح نگار ''زیگلر'' سے کہا: ''اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جناح کی زندگی اتنی مختصر ہے تو پھر ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی، کیونکہ ہم جناح کے مطالبہ پاکستان کو ٹالتے چلے جاتے اور یوں پاکستان کبھی جناح کی زندگی میں نہ

بن سکتا اور پھر دوسرا جناح کوئی نہیں تھا جو پاکستان تخلیق کرسکتا"۔

پاکستان بننے کے بعد سب سے بڑا مسئلہ مہاجرین کا تھا۔ آبلہ پا، تھکن سے چور، بھوک کے مارے، سفر کی صعوبتوں سے نڈھال ستر لاکھ مہاجرین گرتے پڑتے پاکستان پہنچے، جو بالکل بے سروسامان تھے۔ ان کے پاس تن کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور ان کپڑوں میں بھی پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ درد کشاں بلا تھے، جنھوں نے معصوم بچوں کا قتل، لاشوں کی قطع برید اور عورتوں کی بے حرمتی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ راستے میں ہر قدم پر موت ان کی تاک میں تھی۔ ہزاروں مہاجر بھوک اور بیماری کی وجہ سے راستے میں ہی جاں بحق ہو گئے یا سکھوں کے خون آشام جتھوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بہت سے پاکستان کی سرحد پر پہنچتے ہی ابدی نیند سو گئے۔ ان مہاجرین کی بحالی یقیناً ایک مشکل کام تھا، جسے قائداعظم کی بصیرت، انتھک محنت اور انصارِ پاکستان کی فیاضی نے کافی حد تک حل کر دیا تھا۔

مہاجرین کے بارے میں آپ اکثر فکرمند رہتے، ایک مرتبہ فرمایا: "مجھے خیال نہیں تھا کہ اس وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کو آبائی وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ جس وسیع پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، مجھے کبھی اس کا وہم بھی نہ تھا"۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تباہ حال مسلمانوں کی حالت نے میری صحت پر برا اثر ڈالا ہے، مہاجرین پاکستان کے لیے بوجھ نہیں، یہ پاکستان کی دولت ہے۔

قائداعظم کے افکار:

پاکستان کے مخالف عناصر قائداعظم کو سیکولر اور پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، چنانچہ بابائے قوم کی زندگی، بیانات، بیماری اور آخری سفر حتیٰ کہ تجہیز و تکفین کے بارے میں بھی کئی ایسی کہانیاں مشہور ہیں، جو اول تو بے بنیاد ہیں یا بظاہر مشکوک ہیں۔ یہی عناصر دراصل پاکستان کے وجود کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے تو نظریہ پاکستان سے انکار کرنا پڑے گا، کیونکہ نظریہ پاکستان کا مطلب ہے کہ یہاں حکومت دین کی تابع ہوگی اور سیکولر اسٹیٹ میں دین نجی زندگی تک محدود رہتا ہے۔ پاکستان بنانے کے لیے صرف ایک ہی نعرہ اٹھا تھا، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ۔ اگر قائداعظم سیکولر پاکستان کے متوالے تھے تو پھر آزادی کے چراغ کو لہو سے کیوں جلایا گیا؟ بھارت تو پہلے سے سیکولر اسٹیٹ تھا۔ حالانکہ آپ کے افکار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نظریہ پاکستان کے متوالے تھے۔

☆...... پاکستان کے بارے میں کہا: ''یہ محمدﷺ کا روحانی فیضان ہے کہ جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ دار نے قرطاس ہند سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی، آج وہ قوم آزاد ہے۔ اس کا اپنا ملک ہے، اپنا جھنڈا ہے، اپنی حکومت اور اپنا سکہ اور اپنا آئین و دستور ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا اور کوئی انعام ہوسکتا ہے؟

یہی وہ خلافت ہے، جس کا وعدہ خداوند تعالیٰ نے رسول اکرمﷺ سے کیا تھا کہ اگر تیری امت نے صراط مستقیم کو اپنے لیے منتخب کر لیا تو ہم اسے زمین کی بادشاہت دیں گے۔ خدا کے اس انعام عظیم کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ پاکستان خدا کا تحفہ ہے اور اس تحفہ کی حفاظت ہر پاکستانی مرد و زن، بچے، بوڑھے اور جوان کا فرض ہے''۔

☆......14 اگست 1947 کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن آزادی کی تقریبات میں حصہ لینے کراچی آئے تو انہوں نے اپنی تقریر میں کہا: '' مجھے امید ہے کہ اقلیتوں کے سلسلے میں پاکستان میں شہنشاہ اکبر کی تقلید کی جائے گی''۔ قائداعظم نے دوٹوک جواب دیا: ''ہمیں اکبر بادشاہ کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ ہم اپنے رسول پاکﷺ کے نقش قدم پر چلیں گے، جنہوں نے تیرہ سو سال پہلے صرف الفاظ سے ہی نہیں، بلکہ عملی طور پر عیسائیوں اور یہودیوں سے انتہائی درجے کی رواداری کا سلوک کیا اور ان کے عقیدے اور مذہب کا بے حد احترام کیا''۔

☆......قائداعظم نے فرمایا: ''سیاست میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے رسول پاکﷺ کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے اور اس کامیابی کی کنجی رسول پاکﷺ کا بتایا ہوا دیانت داری کا راستہ ہے''۔

☆......شریف الدین پیرزادہ کہتے ہیں: ''حضرت قائداعظم نے بمبئی میں مسلم لیگ کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا: مجھے مسلمان ہونے پر فخر ہے''۔

☆......قائداعظم چونکہ انگریزی ماحول میں رہے تھے، اس لیے وہ انگریزی لباس پہننے کے عادی تھے، لیکن جب ان پر اسلام سے مشابہت کی اہمیت اور کفار سے مشابہت کے نقصانات واضح ہوگئے، تو انہوں نے ہر وقت انگریزی لباس پہننے کی عادت چھوڑ دی اور اکثر و بیشتر اسلامی لباس میں منظر عام پر نظر آنے لگے، جس کے بعد جناح کیپ، شیروانی، شلوار اور قمیص، قومی لباس کی حیثیت اختیار کر گئے۔

☆......مولانا حسرت موہانی کی روایت کے مطابق وہ ایک روز جناح کی کوٹھی پر صبح سویرے نہایت ضروری کام سے گئے اور ملازم کی اجازت کے بغیر ہی ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیرے کمرے میں جا پہنچے۔ برابر کے کمرے سے انہیں کسی کے بلک بلک کر رونے اور کچھ کہنے کی آواز آئی۔ آواز چونکہ جناح کی تھی اس لیے وہ گھبرا گئے۔ آہستہ سے پردہ اٹھایا تو کیا دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑے نہایت ہی بے قراری سے کچھ دعا مانگ رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا حسرت موہانی دبے پاؤں وہیں سے واپس آ گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اب جب کبھی وہاں جاتا ہوں اور ملازم کہتا ہے کہ وہ اندر ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ سجدے میں پڑے ہوئے دعا کر رہے ہیں اور میرے تصور میں قائد کی ہر وقت وہی تصویر اور وہی آواز رہتی ہے۔

رحلت:

وفات سے چند دن پہلے انہوں نے کہا: ''چند سال قبل یقیناً میری یہ آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں۔ زندگی کی خواہش اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ موت سے ڈرتا تھا، بلکہ اس لیے زندہ رہنا چاہتا تھا کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا ہے اور قدرت نے جس کام کے لیے مجھے مقرر کیا ہے، میں اسے اپنی زندگی میں پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اب وہ کام پورا ہو چکا ہے، پاکستان بن چکا ہے، میں نے خدا کے بھروسے پر انتھک کوشش اور محنت کی اور اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک حصول پاکستان کے لیے صرف کر دیا ہے، میں تھک گیا ہوں، آرام چاہتا ہوں۔ اب مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ قائد اعظم کی آنکھ سے موٹا سا آنسو گر پڑا، ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ فرمارہے تھے: ''اے خدا! تو نے ہی مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے اور اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے، تو ہی اس کا حامی و ناصر ہے''۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

11 ستمبر **1848** کو **1** بج کر **15** منٹ پر قائد کی نبض کمزور پڑنے اور بے قاعدگی سے چلنے لگی۔ جسم کے تمام حصوں پر ہلکا سا پسینہ آنے لگا، اس وقت اسے ''کورامن'' کا ایک ٹیکہ لگایا گیا۔ کورامن (طاقت کا ٹیکہ) دینے کے بعد معالج نے قائد کو مخاطب کر کے کہا: ہم نے یہ طاقت کا ٹیکہ لگایا ہے، خدا کے فضل سے جلد اثر کرے گا اور آپ اچھا محسوس کریں گے۔

’’میں اب نہیں‘‘ یہ آخری الفاظ تھے جو کہ آدھ گھنٹہ خاموش ہونے سے پہلے قائد کہہ سکے۔فزیشن ڈاکٹر ریاض علی شاہ کے مطابق قائد کے آخری الفاظ’’اللہ پاکستان‘‘ تھے،محترمہ فاطمہ جناح کے مطابق آخری کمزور قسم کی آواز میں الفاظ یوں تھے: فاطمہ! خدا حافظ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

یوں 10 بج کر 20 منٹ پر سٹیتھوسکوپ دل پر رکھا گیا،مگر آواز نہ آئی اور قائداعظم ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون!

بالآخر آپ برطانوی اور ہندو شاطران سیاست کو شکست دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ آپ کی رحلت پر ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں ماتم کدہ بن گیا۔پوری قوم آپ کی وفات پر سوگوار اور اشک بار تھی۔ آپ کے جنازے میں چار لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے قائداعظم کی نماز جنازہ پڑھائی اور نماز کے بعد مختصر تقریر فرماتے ہوئے کہا:’’اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں نے قائداعظم جیسا آہنی عزم کا انسان پیدا نہیں کیا‘‘۔یوں 12 ستمبر 1948ء کو اس عظیم انسان کو سپردخاک کردیا گیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مضمون کے اکثر اقتباسات ڈاکٹر ریاض علی کی کتاب’’قائداعظم کے آخری آیام‘‘ اور فقیر محمد ندیم باری کی کتاب’’اخلاق قائداعظم‘‘ سے لیے گئے ہیں،ڈاکٹر ریاض علی قائداعظم کے آخری ایام میں معالج رہے اور فقیر محمد ندیم صدارتی ایوارڈ یافتہ مصنف ہیں۔

ملفوظاتِ امام اعظمؒ

فرمایا: اپنی محبوب جان کے لیے گناہ اور اپنے مبغوض وارث کے لیے اموال جمع مت کرو۔(ائمہ اربعہ کے دربار میں: ص 26)

﴿اسلامی زندگی﴾

پُرسکون زندگی

مولانا گل نواز ایوبی

کائنات کی ہر ذی روح چیز میں خواہشات کا مادہ ہے؛ چاہے انسان ہو یا حیوان۔ اگر یہ کہا جائے کہ خواہشات کی گھٹی ان کو پلائی گئی ہے تو اس سے انکار ممکن نہیں۔ انسان کی لامتناہی خواہشات میں سے ایک مشترکہ خواہش پُرسکون زندگی کا خواب ہے، جس کو پورا کرنے کے لیے بسا اوقات انسان خاکِ شرق وغرب کو بھی چھان لیتا ہے، جس کو آج کل کی اصطلاح میں ٹورسٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے، البتہ یہ ضروری نہیں کہ پُرسکون زندگی کے حصول کے لیے در در کی خاک کو چھان لیا جائے، بلکہ بعضوں کو یہ نعمت عظمیٰ اپنے گھروں میں ہی دستیاب ہے۔ اس نعمت عظمیٰ سے مالا مال لوگوں میں اکثریت مذہب اسلام کے متبعین کی ہے اور اس نعمت سے محروم لوگوں میں اکثریت دین اسلام کے علاوہ ادیان باطلہ کے پیروکاروں کی ہے۔ بے سکونی کا مرض مسلمانوں میں بہت کم پایا جاتا ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کے پاس حصول سکون کے لیے ایک نسخہ کیمیا موجود ہے اور وہ ہے شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی گزارنا۔

مثلاً جب بھی دل بے چین ہوا فوراً اس طبیب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو طبیب الاطباء ہے، مثلاً: پریشانی کی صورت میں فوراً وضو کر کے قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی یا نوافل میں مصروف ہوگیا یا ذکر واذکار میں یا اگر کچھ عبادت بھی نہیں کی، بلکہ صرف مسجد میں بیٹھ گیا تو چند ہی لمحوں میں طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے، تو مذکورہ صورت میں مسلمانوں کا عبادت کی طرف رجوع کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جو کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿الذین آمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله الا بذكر الله تطمئن القلوب﴾

(الرعد:۲۸)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں، سن لو اللہ ہی کے ذکر

میں دلوں کا اطمینان ہے۔گویا کہ مسلمانوں کو چین وسکون کی جو دولت نصیب ہے، وہ اختیارِ اسلام اور اتباع قرآن سے نصیب ہے۔رہا یہ سوال کہ غیر مسلم اس نعمت سے محروم کیوں ہیں؟اس کا جواب یہ ہے کہ انسان چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم،سب کو عدم سے وجود میں لانے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے،اس ذات نے انسان کو پیدا کر کے یونہی بیکار و بے مہار نہیں چھوڑا، بلکہ زندگی کے ہر ہر پہلو کی رہنمائی کے لیے اصول وضوابط مقرر فرمائے، جو کتب سماوی میں مذکور ہیں،مگر سوائے قرآن مجید کے باقی کتب میں تحریف کی وجہ سے وہ اصول وضوابط محرف ہوگئے،جس کی وجہ سے ان مذاہب کے پیروکار(غیر مسلم)ایک بہترین زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین سے رہنمائی حاصل نہ کر سکے اور آج اسی کے حصول یعنی سکون وچین کے لیے دنیا کے کونے کونے میں بھٹک رہے ہیں اور بزبان حال یہ کہنے پر مجبور ہوگئے:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　　نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

خدا تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین پر نہ چلنے کی صورت میں ان کے لیے ان کے گھر بار، جال صیاد ثابت ہو رہے ہیں،وہاں زیادہ تعداد پاگل خانوں کی ہے، اس لیے کہ جب پریشانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو پاگل خانے ان کا مسکن ٹھہرتے ہیں۔ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ کے ایک شہر نیویارک میں پاگل خانوں کی تعداد(۱۰۰) سے متجاوز ہے جو ان کی بڑھتی ہوئی پریشانیوں اور بے چینیوں کے لیے ایک واضح دلیل ہے۔اس کے برخلاف اگر مسلم ممالک کے ایک ملک پاکستان میں ہی پاگل خانوں کی تعداد معلوم کی جائے تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے،سوائے ایک دو کے۔تو غیر مسلم ممالک میں یہ بڑھتے ہوئے پاگل خانے یہ اندرونی عذاب کی ہی ایک صورت ہے جو ان کی دہلیز پر دستک دے رہی ہے۔سورۃ نبأ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وجعلنا اللیل لباساً وجعلنا النھار معاشاً﴾ (النبأ:۱۰،۱۱)

ترجمہ:...’’اور ہم نے رات کو سونے کے لیے بنایا اور دن کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا‘‘۔

دن رات جو کہ چوبیس گھنٹوں پر مشتمل ہیں،اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی تقسیم فرمائی کہ ایک حصہ آرام کے لیے وقف ہوگیا اور ایک حصہ حصول معاش کے لیے وقف ہوگیا۔اور اس تقسیم کو انسان کی فطرت میں رکھ دیا کہ جب سورج نکلتا ہے تو ہر آدمی خود بخود اپنے اندر ایک طرح کی چستی محسوس کرتا ہے جو اس کو عدم قرار پر برانگیختہ کرتی ہے اور جیسے ہی دن ختم ہوتا ہے،شام کی کالی گھٹائیں ہر چیز کو اپنی بانہوں میں لپیٹ لیتی ہیں تو قدرتی طور

پر انسان کی طبیعت خود بخود آرام وسکون کی طرف مائل ہوتی ہے۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ حیوانوں میں بھی یہی روز مرہ کا معمول ہے۔ ہر آدمی مذکورہ بالا آیت کو مدنظر رکھ کر ان اوقات پر پابندی سے عمل پیرا ہو جائے تو زندگی میں بہار آ جائے، ہر لمحہ حیات خوشبو سے مہک اٹھے گا، سفینۂ حیات تند و تیز موجوں سے نکل کر ساحل پر آ لگے گا، مگر ہمیں اپنی زندگیوں میں چین وسکون کی بہار لانے کے لیے خالق قدرت کے وضع کردہ نظام حیات کے سانچے میں اپنے انگ انگ کو ڈھالنا پڑے گا اور دن رات کو اس کے مقررہ دائرہ کار میں استعمال کرنا ہوگا۔

محترم قارئین! ہم رب کریم کے اس نظام پر چلیں تو سہی، ہم رات کو دیر سے سونے اور صبح دیر سے جاگنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے قانون میں ترمیم کرلیں تو اس کے ہم پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ ذرا ان پر نظر ڈالتے ہیں:

۱- اس تقسیم کے خلاف یا تاخیر کی صورت میں ہمارا دل و دماغ متاثر ہوتا ہے، معمولات زندگی درہم برہم ہو جاتے ہیں، چہرہ مرجھایا ہوا لگتا ہے، اردگرد کا ماحول الٹا نظر آنے لگتا ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رب کریم کے صرف ایک قانون میں ترمیم کی صورت میں ہمارے اوپر بے شمار اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے؟

آیئے عہد کریں!

اگر ہم نے پُر سکون زندگی گزارنی ہے تو ہمیں اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وضع کردہ قوانین، اصول و ضوابط اور ہدایت کی راہوں پر اپنے قدموں کو جمانا ہوگا اور رسول ہاشمی ﷺ کی ہر ہر ادا کو اپنے ظاہر و باطن میں رچانا ہوگا، اس لیے کہ گود سے گور تک ہماری زندگی کی کامیابی کے راز انہی طریقوں میں پوشیدہ ہیں۔ (بشکریہ ماہنامہ البینات، نومبر ۲۰۰۷ء)

عجیب نصیب

ایک مرتبہ چند لڑکوں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ ہر کوئی فٹ بال کو پاؤں کی ٹھوکریں مارتا ہے۔ بزرگ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فٹ بال میں ہوا بھر گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس انسان میں بھی تکبر و غرور کی ہوا بھر جائے اس کا انجام بھی یہی ہوتا ہے۔

(ماہنامہ محاسنِ اسلام، جولائی 2022ء، صفحہ 25)

﴿اسلامی زندگی﴾

ایمان کا اعلیٰ مقام اور ثمرات

مفتی ضیاء اللہ جان

ایک مسلمان کے لیے ایمان اس قدر قیمتی سرمایہ اور اہم فریضہ ہے کہ ہر گھڑی وہ اس کو اپنے پاس رکھنے کا پابند ہے۔اس کے بغیر وہ ایک سیکنڈ کے لیے ہی کیوں نہ ہو، مسلمان نہیں رہ سکتا۔ایک مسلمان کی ساری زندگی کا محور ایمان ہے۔ایمان کے بغیر نہ تو فرض قبول ہوسکتا ہے اور نہ نفل۔اسی کو اللہ تعالی نے واضح طور پر قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿من عمل صالحامن ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون﴾(النحل:۹۷)

ترجمہ: جو (بھی) مرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ ایمان والا ہو تو ہم اسے (دنیا) میں پاکیزہ زندگی عنایت فرمائیں گے اور اُخروی زندگی میں انہیں، ان کے بہترین کاموں کے بدلے ان کا اجر وثواب مرحمت فرمائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک عمل اس وقت قبول ہوگا جب وہ ایمان کی بنیاد پر کیا جائے، یعنی نیک عمل کی قبولیت کی شرط ایمان ہے۔

ایمان کے اس اہم اور قیمتی سرمائے کی کڑی نگرانی کی طرف حضور ﷺ نے بھی متوجہ فرمایا۔حدیث پاک میں ہے:

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ :جدّدوا ایمانکم.قیل : یارسول اللہ ﷺ وکیف نجدد ایماننا؟ قال اکثروا من قول لآالہ الااللہ.(رواہ أحمد والطبراني)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو۔عرض کیا گیا یارسول اللہ! ہم اپنے ایمان کو کیسے تازہ کریں؟ ارشاد فرمایا:

لاَ الٰہ الا اللہ کثرت سے کہتے رہا کرو ۔(مسند احمد، طبرانی)

ایمان کی اس دائمی اور بنیادی اہمیت کے پیش نظر، اسلامی سلسلہ مضامین کا آغاز ایمان کے عنوان سے کیا جارہا ہے۔ یہ موضوع کئی اقساط میں زیر بحث لانے کا حامل ہے۔تاہم اس پہلی قسط میں ایمان کا مقام و مرتبہ اور فضیلت بیان کی جائے گی۔

قرآن اور حدیث میں ایمان کا مقام:

قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ایمان کے اعلی مقام کو خوب بیان کیا گیا ہے۔ان سب کا احاطہ کرنا تو کسی بندے کے بس کا کام نہیں ہے، البتہ بطور نمونہ چند آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں۔

اعمال صالحہ کی قبو لیت کی اساس:

قرآن پاک میں جہاں بھی اعمال صالحہ کا ذکر آیا ہے تو اس سے قبل یا تو ایمان کو ذکر کیا گیا ہے اور یا ایمان کو ان اعمال صالحہ کی قبولیت کی شرط کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں: پہلی آیت:

﴿الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت طوبیٰ لهم وحسن ماب﴾(الرعد:٩٢)

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے، ان کے لیے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا ہے۔

دوسری آیت:(الکھف:٨٠)

﴿ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت کانت لهم جنٰت الفردوس نزلا﴾

ترجمہ بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کی مہمان نوازی کے لیے فردوس یعنی جنت کے باغ ہوں گے۔

تیسری آیت:

﴿ومن یأته مؤمنا قد عمل الصالحات فاولٓئك لهم الدرجات العلی﴾(طه:٧٧)

ترجمہ: اور جو شخص اس (اللہ) کے پاس مومن ہوکر حاضر ہوگا، جس نے نیک کام بھی کیے ہوں، سوایسوں کے لیے بڑے اونچے درجے ہیں۔

پہلی دو آیتوں میں ایمان کو اعمال صالحہ سے پہلے بنیاد کے طور پر ذکر فرمایا ہے، جبکہ تیسری آیت میں ایمان کو شرط کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے ہاں اعمال صالحہ کی قبولیت کی اساس اور شرط

ایمان ہے اور ایمان کے بغیر اعمال صالحہ اللہ تعالی کے ہاں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

دنیا اور آخرت کی فوقیت کا معیار:

ایمان کے اعلی مقام کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے کامل الایمان ہونے کی شرط پر دنیا میں غالب اور سب سے اعلی رہنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین﴾ (آل عمران ١٣٩)

ترجمہ: اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہے۔

یعنی دنیا میں مسلمانوں کا غلبہ اور فوقیت کامل الایمان ہونے پر موقوف ہے۔ صرف دنیا ہی میں نہیں، آخرت میں بھی جس کا ایمان جس درجے کا ہوگا، اس کے موافق جنت کے مقامات کا مستحق ہوگا۔ آخرت کا فرق مراتب احادیث میں خوب بیان کیا گیا ہے۔

ایمان کے ثمرات اور فضائل :

ایمان کے جو ثمرات ہیں اور ایمان کی برکت سے جن فضائل کا بندہ مستحق ہو جاتا ہے، ان کا مختصر تذکرہ مندرجہ ذیل احادیث کے ضمن میں ملاحظہ ہو:

١۔ دنیوی زندگی کی حفاظت ایمان میں ہے:

عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ قتال کروں، یہاں تک کہ وہ ''لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دیں۔ (متفق علیہ)

٢۔ ایمان کی برکت سے مصائب کفارات بنتے ہیں۔ عبادۃ بن الصامتؓ راوی ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا (ایسے حال میں کہ آپﷺ کے ارد گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی) مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم لوگ اللہ تعالی کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کروگے، چوری نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے اور اپنی طرف سے کوئی بہتان نہیں باندھوگے، کسی نیکی میں میری نافرمانی نہیں کروگے، جس نے اس (عہد) کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالی پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا اور اس کی وجہ سے دنیا میں اسی کو سزا دی گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا، پھر اللہ تعالی نے اس پر پردہ ڈالا تو وہ اللہ تعالی کے حوالے ہے، چاہے تو اسے معاف فرمائے اور چاہے تو اسے سزا دے، تو ہم نے

آپ ﷺ سے اس بات پر بیعت کرلی۔(متفق علیہ)

۳۔ دخول جنت کی ضمانت ایمان میں ہے: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا ہو کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(رواہ مسلم)

حضور ﷺ کے ہاں ایمان کی قدردانی:

حضور ﷺ کی مبارک نظروں میں ایمان اس قدر عزیز تھا کہ ایک دن حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو حارث بن مبارکؓ کو سوتے ہوئے پایا۔حضور ﷺ نے پاؤں سے ہلایا اور فرمایا: اپنا سر اٹھاؤ۔انہوں نے سر اٹھا کر کہا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔حضور ﷺ نے فرمایا: اے حارث بن مالک !تم نے کس حال میں صبح کی؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے پکا سچا مؤمن ہونے کی حالت میں صبح کی۔تو حضور ﷺ نے فرمایا: برحق بات کی کوئی حقیقت ہوا کرتی ہے۔جو تم کہہ رہے ہو، اس کی حقیقت کیا ہے۔حضرت حارث نے جواب میں کہا: میں نے اپنے آپ کو دنیا سے ہٹالیا اور دن کو میں پیاسا رہتا ہوں یعنی روزہ رکھتا ہوں اور رات کو جاگتا ہوں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور جنت والوں کو جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور جہنم والوں کو ایک دوسرے پر بھونکتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالی نے تمہارا دل نورانی بنادیا ہے اور تم نے (ایمان کی) حقیقت کو پہچان لیا ہے، لہذا تم اس ایمانی کیفیت پر پکے رہو۔ایک روایت میں ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: ایمان کی حقیقت کو دیکھ لیا ہے، اب اس کو مضبوطی سے پکڑلو۔(حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حیات الصحابہ، حصہ سوم، ص:۴۳)

مندرجہ بالا واقعے سے معلوم ہوا کہ خود حضور ﷺ ایمان کے کس قدر قدردان تھے کہ پہلے تو اپنے صحابی سے ایمان پر دلیل قائم کروائی۔محض دعویداری پر اکتفا نہیں فرمایا، کیونکہ حضور ﷺ تو درحقیقت اپنی امت کا ایمان بنوانے کے لیے تشریف لائے تھے، اس لیے اپنے ایک ایک امتی کے ساتھ ایمان بنانے کی محنت کی۔ دعوی محض پر اسے نہیں چھوڑا۔دوسرے یہ کہ جب حضور ﷺ کو اس کے کامل الایمان ہونے کا اطمینان ہوا تو اسے کمال ایمان پر ہونے کی نوید سنا کر اس کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ظاہر بات یہ ہے کہ اچھے کام پر کسی کی

حوصلہ افزائی کرنا تربیت کا حصہ اور زیرِ تربیت افراد کی استعداد بڑھانے کا ذریعہ بھی ہے۔

صحابہ کی زندگی سے ایمان کی قدردانی کے نمونے:

حضرت ابوبحریہ کندیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن خطابؓ باہر تشرف لائے تو دیکھا کہ ایک مجلس ہے، جس میں حضرت عثمانؓ بھی ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمہارے ساتھ ایک ایسا آدمی بیٹھا ہے کہ اگر اس کا ایمان کسی بڑے لشکر میں تقسیم کیا جائے تو ان سب کو کافی ہو جائے گا، اس سے مراد حضرت عثمانؓ تھے۔ (حیاۃ الصحابہ:۳/۱۰۰)

خالد بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! مگر ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے بھی بڑا تھا۔ (حیاۃ الصحابہ:۳/۱۰۰)

جب حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ہاں ایمان کی قدر ہم جان چکے تو ہمیں بھی اپنے ایمان کی حفاظت اور ترقی کے لیے کچھ نہ کچھ محنت کرنی چاہیے، چنانچہ اس دولت کے حصول کے لیے اہل اللہ کی تحقیق اور ان کی صحبت اختیار کرنا ہمارا اولین فرض ہے، کیونکہ ''یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا''۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کامل اور اس کی قدردانی نصیب فرمائے۔ آمین!

ستر ہزار فرشتوں کی دعائے مغفرت:

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: جو بندہ نماز کے لیے گھر سے نکل کر یہ پڑھے:

"أَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَايْ هٰذا فَإِنِّيْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَآءً وَلَا سُمْعَةً ،خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءِ مَرْضَاتِكَ اَسْئَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِيْ مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ."

تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ نماز پڑھ لے۔ (دعاء لابن سنی)

﴿اسلامی زندگی﴾

نعرۂ تکبیر اللہ اکبر

پروفیسر سید شفیق احمد ترمذی

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

چند ماہ پہلے ہندوستان کے صوبہ کرناٹک کے PES انجینئرنگ کالج میں برقع میں ملبوس ایک مسلمان طالبہ مسکان خان کو RSS کے غنڈوں نے جے شری رام کی صدا لگاتے ہوئے ہراساں کرنا شروع کر دیا۔لڑکوں کا مطالبہ تھا کہ کالج میں حجاب میں نہیں آنا، ورنہ ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔لڑکی نے کمالِ جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ اکبر کے نعرے لگائے، اللہ اکبر کی للکار سنتے ہوئے لڑکے پیچھے ہٹ گئے، لڑکی اپنا دفاع کرتے ہوئے فاتحانہ انداز میں چلی گئی۔

اس واقعہ سے نہ صرف ہند میں، بلکہ دنیا بھر میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوا۔حکومتی ردعمل تو یہ سامنے آیا کہ کالج میں آئندہ کے لیے طالبات کو حجاب یا کالج میں داخلہ میں ایک کا انتخاب کرنے کو کہا گیا۔دوسری طرف نہ صرف ہند میں، بلکہ عرب ممالک یورپ اور امریکہ میں پڑھے لکھے لوگوں نے باحجاب طالبہ کی حمایت میں بیانات دیے۔ ہند میں مسلم تنظیموں نے طالبہ کو انعامات سے نوازا۔کویت کی پارلیمنٹ نے RSS کے کارندوں کی کویت میں آمد پر پابندی لگا دی ۔بہت سے عالمی لیڈروں اور شہرت یافتہ لوگوں نے اس ہندو انتہا پسندی کے خلاف بیانات دیے۔اس سے ہندوستان کی سیکولر شناخت اور آزادی رائے کا بھرم کھل گیا۔

ایک لڑکی اور وہ بھی عددی اقلیت والی نے دنیا بھر کے نوجوانوں کو حیران کر دیا کہ لڑکی میں اتنی جرأت کیوں کر پیدا ہوئی؟ جیسے ایک بے چاری ہرن بھوکے شیروں کے چنگل سے صحیح سالم آزاد ہو جائے جو کہ ناممکن ہے۔یہ صرف اور صرف اللہ اکبر کا کمال تھا، جس نے ایک بے چاری لڑکی کو ظالموں سے بچا لیا۔صرف جرأت اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین چاہیے، بقول علامہ اقبال:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

یہ واقعہ کوئی انہونا واقعہ نہیں، یہ ہوتا چلا آ رہا ہے اور آئندہ بھی ہوگا، کیونکہ بقول علامہ اقبالؒ:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ایسے میں اُمت مسلمہ خصوصاً نوجوان نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ نوجوان نسل کانوں میں مندریاں اور ہاتھوں میں کنگن ڈال کر جوانمردی کبھی کی کھو چکی ہے، پرکشش بننے کے لیے کریم کا استعمال اور گالوں پر سرخی لگاتے ہیں، وہ اپنی جوانمردی کا مظاہرہ مری اور مالم جبہ کے برف زاروں پر ایک دوسرے پر برف پھینکتے ہوئے کرتے ہیں، جب جوان ناپید ہوں تو لڑکیاں جرأت و بہادری کی مثالیں پیش کریں گی۔ جیسے ہمارے ہاں ایک کہاوت ہے:

”دا شازلمو نہ پورہ نہ شوہ باچاخانہ جینکے بہ دی گٹینہ“

یعنی جب جوانوں سے پورا نہ ہو تو اے باچا خان لڑکیاں تجھے جتوائینگی۔

نوجوان کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں بابائے معاشیات آدم سمتھ نے "The wealth of Nations" نامی کتاب لکھی، ایک دن کچھ طالب علم اس سے اس کتاب کے بارے میں کچھ رہنمائی کرنے کے لیے آئے تھے، وہ انہیں اپنے باغ میں لے گیا اور ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ درخت پودے کی طرح سیدھا اُگنا شروع ہوا، پھر کچھ مدت بعد اس کا تنا سیدھا بڑھنے کی بجائے ٹیڑھا ہو گیا، اب اس کی شاخیں زمین کی طرف جھکی ہوئی ہیں، پھر اس نے ایک دوسرے درخت کی طرف اشارہ کیا، یہ بھی ابتدا میں درخت کے نیچے جھکنے لگا، لیکن میں نے اس کی شاخوں کو اوپر کی طرف اٹھایا، اب یہ سیدھا درخت بن کر کھڑا ہے۔ آپ مجھ سے قوموں کے سرمایہ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، یہ درخت اس کا جواب ہیں۔ یہی مثال کسی قوم کے نوجوانوں کی ہے، اگر بروقت ان کی صحیح تربیت کی گئی تو آگے جا کر وہ قوم کے لیے بہترین سرمایہ ثابت ہوں گے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ”اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی“ کے مصداق معاشرے کا ہر پہلو خراب اور اصطلاح طلب ہے۔ بے مقصد زندگی اور بے جان نظام تعلیم نے نوجوان نسل کو کہیں کا بھی نہ رہنے دیا۔

کرناٹک جیسے واقعات تو آئے روز ہوتے رہیں گے، کیونکہ ہم مسلمان زندہ ہیں، ہم میں جان ہے،

ہماری قیمت ہے،لوگ پھلدار درخت کو پتھر مارتے ہیں، بے پھل درخت کو کوئی منہ نہیں لگاتا۔ڈیل کارنیگی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:"No Body Kicks a did dog" مرے ہوئے کتے کو کوئی نہیں مارتا۔ اس کو مارتے ہیں جس میں جان ہوتی ہے جو غراتا ہے۔

ہندوستان میں بھی مسلمان باوجود اقلیت ہونے کے ایک قوت ہیں۔ ہندو بلکہ سارے یہود ونصاری مسلمانوں کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کو چھیڑتے ہیں۔

اب یہ مسلم نوجوانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں،اپنی عددی قلت یا معاشی پسماندگی کو نہ دیکھیں، بلکہ اللہ تعالی کی مدد ونصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا بازو آزمائیں اور نوجوان جو کر سکتے ہیں، وہ بڑی عمر والے نہیں کر سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جوانی کے بل بوتے پر مندر کے بتوں کو توڑ ڈالا۔اصحاب کہف نے نوجوانی کے دَم خم پر حاکم وقت کے مشرکانہ عقائد ونظام کا انکار کیا۔

ایک مرتبہ دار ارقم میں اس بات پر مشورہ ہوا کہ کون کفار مکہ کی مجلس میں جا کر قرآن سنائے گا۔اچانک ایک دبلے پتلے جوان حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس کام کے لیے تیار ہوئے،اس پر بعض صحابہ نے فرمایا کہ تم پتلی ٹانگوں والے کمزور جوان قریش کے سرداروں کے سامنے کیسے قرآن سناؤ گے؟ خیر وہ نہیں مانا اور جا کر قریش کی مجلس میں سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کی،قریش آپؓ پر ٹوٹ پڑے اور خوب مارا۔دوسرے دن پھر چلا گیا اور پھر وہی حشر ہوا۔خود فرماتے تھے جو مزہ قرآن پڑھنے کا مجھے قریش کے سامنے پڑھنے میں آیا، وہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔یہ تھے جوان اور یہ تھیں ان کی جوانیاں۔

ایسے لوگ کسی قوم کی کایا پلٹ سکتے ہیں،اس کے لیے نوجوانوں کو تیار کرنا پڑے گا،اس مقصد کے لیے جہادی کلچر کو عام کرنا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يـٰأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ﴾(الانفال: ٦٥)

ترجمہ:اے نبی!مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نوجوانوں کے ہاتھ میں بندوق دے کر دشمنوں پر چھوڑ دو،اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:"**لا تتمنوا لقاء العدو**" دشمن سے جنگ کی تمنامت کرو۔ہاں ان کو ذہنی طور پر اس

بات کے لیے تیار کیا جائے گا کہ اگر خدانخواستہ دشمن نے حملہ کر دیا تو ہر حالت میں اس کے ساتھ جہاد میں حصہ لیں گے اور اسی میں امت مسلمہ کی بقا ہے۔

ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

"إذا تركتم الجهاد فسلط الله عليكم الذلة".

جب تم جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے:

"مَن مات ولم يغزُ ولم يحدث به نفسه مات على شعبة من النفاق."

ترجمہ: یعنی جو مسلمان اس حالت میں مرا کہ نہ تو کبھی جہاد میں شامل ہوا نہ اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو اس کی موت منافق کی موت ہے۔

مشہور مبلغِ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن اپنی کتاب ''جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ'' میں لکھتے ہیں: ''خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر پوری دنیا کے مسلمان پانچ وقت کی نماز، تہجد، اشراق، اوابین کے پابند ہو جائیں، زکوۃ وصدقات ادا کریں، رمضان تو کیا ہر جمعرات، پیر، ایام بیض اور عاشورا کے روزے رکھیں، پورا دن قرآن کی تلاوت اور رات مصلی پر گزاریں، حرام کھانا چھوڑ دیں، مگر خدا کی قسم! جان ومال وعزت اور ایمان کا تحفظ اور خلافت کا قیام اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک یہ امت جہاد نہیں کرے گی۔

بقول شاعر:

لائیں نہ مومنین گر قوت کو کام میں — ہر گز نہیں نجات ملے گی فساد سے
روزہ نماز و ذکر کا اپنی جگہ ثواب — لیکن نفاذ دین تو ہوگا جہاد سے

جو باپ کی موت سے نصیحت نہ پکڑے

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، کہنے لگا کہ حضرت جی! مجھے نصیحت فرمائیں......آپؒ نے فرمایا: برخوردار! تیرے والد زندہ ہیں؟ اس آدمی نے کہا: نہیں۔ فرمایا: میری مجلس سے اُٹھ جا......جس کو باپ کی موت نے نصیحت نہیں کی، اس کو عمر بن عبدالعزیز کیا نصیحت کر سکتا ہے؟ (ماہنامہ محاسنِ اسلام، جولائی 2022ء، صفحہ 39)

برکات نبوی ﷺ

جناب مولانا غلام عباس صاحب

اللہ تعالیٰ نے اپنی معبودیت کے اعلان کے لیے عظیم الشان ہستیوں (انبیاء علیہم السلام) کو دنیا میں مبعوث فرمایا کہ وہ جا کر اعلان کریں کہ جہانوں کا خالق و مالک صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔اس اعلان پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس ہستیوں کو قربان کر دیا،لیکن یہ گوارہ نہ کیا کہ کوئی مخلوق خالق کائنات کا کسی کو شریک ٹھہرا سکے۔ذات باری تعالیٰ کو متعارف کروانے والی ان عظیم ہستیوں کی آخری ہستی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو کائنات کا سردار بنایا۔اسی طرح اوصافِ حمیدہ کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ سب کے سردار ہیں۔

جہاں جہاں آپ ﷺ کے قدمین شریفین پڑتے گئے،وہاں برکتیں اترتی چلی گئیں۔کماحقہ آپ ﷺ کی برکات کا احاطہ قلم کی جولان گاہ سے باہر ہے،لیکن چند برکتوں کا تذکرہ عاشقانِ رسول ﷺ کے دل ودماغ کو مشک وعنبر سے زیادہ معطر کرنے والا ہے۔

(۱)......حضرات صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ کئی مرتبہ مشاہدہ ہوا کہ بادل آپ ﷺ کے اوپر سایہ فگن رہتے،اگر کسی درخت کے قریب سے گزرتے تو وہ درخت جھک کر سلام کرتے (تاہم یہ معمول نہیں تھا)۔آپ ﷺ کے جسد اطہر پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔آپ ﷺ جب کسی خچر یا گھوڑے وغیرہ پر سوار ہوتے تو اس وقت تک وہ سواری بول وبراز نہ کرتی،جب تک آپ ﷺ اس سے اتر نہ جاتے۔آپ ﷺ کے لعاب مبارک سے کڑا وا پانی میٹھا ہو جاتا۔

(۲)......حضرت ربیع بنت معوذؓ فرماتی ہیں کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو سمجھتے کہ ابھی سورج طلوع ہوا ہے۔

(۳)......حضرت اسید بن ایاسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنا دستِ مبارک میرے

چہرے پر پھیرا، پھر جب میں رات کو کسی تاریک کمرے میں داخل ہوتا تو وہ کمرہ روشن ہو جاتا۔

(۴)......شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آج بھی مدینہ طیبہ کی در و دیوار سے آپ ﷺ کی خوشبو کی مہکیں آ رہی ہیں، جس سے محبوبانِ رسول اللہ ﷺ کے دل و دماغ معطر ہوتے ہیں۔

(۵)......حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے مس ہونے کی وجہ سے ایسا معطر ہو جاتا کہ تمام دن اپنے ہاتھوں سے خوشبو سونگھتا رہتا۔

(۶) حضور اقدس ﷺ اعلان نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ مکرمہ کے ان پتھروں کو خوب پہچانتا ہوں جو اعلانِ نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتے تھے۔

(۷)......حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو درخت یا پہاڑ سامنے آتے، ان سے السلام علیک یا رسول اللہ (ﷺ) کی آواز آتی تھی، میں ان کی آواز کو خوب سن رہا تھا۔

(۸)......حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ دو صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں رات کو دیر تک حاضر رہے، جب واپس ہوئے تو رات بہت اندھیری ہو چکی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ان کے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہو گئی، جب دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے تو ایک چراغ ایک ساتھ ہو لیا اور دوسرا چراغ دوسرے کے ساتھ، یہاں تک کہ دونوں گھر پہنچ گئے۔ حضرت انسؓ نے ان کے نام حیاد ابن بشر اور اسید بن حضیر بتائے ہیں اور یہ روشنی ان کی عصاؤں کے سروں سے پیدا ہو گئی تھی۔

(۹)......ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ مقام زوراء میں تشریف فرما تھے، عصر کا وقت آ گیا تو صحابہؓ نے پانی کی تلاش شروع کی۔ چنانچہ صرف آنحضرت ﷺ کے لیے پانی دستیاب ہو سکا اور مزید پانی نہ ملا۔ جب آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پانی کا برتن پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اس پانی میں رکھ دیا تو پھر آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی پھوٹنے لگا، یہاں تک کہ تین سو آدمیوں نے اس پانی سے وضو کیا۔

(۱۰)......حضرت سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم دس دس آدمی صبح و شام تک

آنحضرت ﷺ کے پاس ایک پیالے سے مسلسل کھاتے رہتے تھے۔لوگوں نے پوچھا کہ اس میں مقدار کیونکر بڑھتی جاتی ہے،انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہاں سے۔

(۱۱)......حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس آپ ﷺ کا جبہ مبارک تھا،جس کو آپ ﷺ زیب تن فرماتے تھے۔حضرت اسماءفرماتی ہیں کہ ہم اس جبہ کے کنارے کو پانی میں بھگوکر بیماروں کو پلاتے تو وہ صحت یاب ہوجاتے تھے۔

(۱۲)......آپ ﷺ نے فرمایا:اے مدینہ! تیرا نام طابہ،طیبہ،مطابہ ہے۔میری وجہ سے تیری فضاؤں میں قیامت تک خوشبو رہے گی۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ روضۂ اقدس سے سات میل دور تک آپ ﷺ کی خوشبو آتی تھی۔

حوالہ جات:

(۱)دلائل النبوۃ ،(۲) الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ ،(۳) قصص الانبیاء ،(۴) شمائل شریف(۵)سیرت حلبیہ،وغیرہ۔

دس ہزاردرود کاثواب:

حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے لکھاہے کہ درج ذیل درود شریف کوایک مرتبہ پڑھنادس ہزار بار پڑھنے کے برابر ہے۔(القول البدیع)

”اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ السَّابِقِ لِلْخَلْقِ نُوْرُہٗ وَ الرَّحْمَۃِ لِلْعَالَمِیْنَ ظُھُوْرُہٗ عَدَدَ مَنْ مَّضٰی مِنْ خَلْقِکَ وَمَنْ بَقِیَ وَمَنْ سَعِدَ مِنْھُمْ وَمَنْ شَقِیَ صَلَاۃً تَسْتَغْرِقُ الْعَدَّ وَتُحِیْطُ بِالْحَدِّ صَلَاۃً لَا غَایَۃَ لَھَا وَلَاانْتِھَاءَ وَلَا اَمَدَ لَھَا وَلَا انْقِضَاءَ صَلَاۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِکَ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَذٰلِکَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

محرم الحرام کی اہمیت

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمده ونصلّی علیٰ رسوله الکریم . امابعد ! فأعوذبالله من الشیطان الرجیم ، بسم الله الرحمن الرحیم .قال الله تبارك وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (البقرة:١٥٤)

اَمابعد!

جوآیت کریمہ آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی،اللہ اس پرعمل کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

محرم الحرام کامہینہ ہے اور یہ مہینہ اشہر الحرام (یعنی وہ مہینے جن کواحترام بخشا گیاہے)میں سے ہے۔اوراحترام والے مہینے چار ہیں : ذوالقعدہ ، ذوالحجہ،محرم الحرام اوررجب المرجب۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادہے:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾(التوبة : ٣٦)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔جواللہ تعالیٰ کی کتاب (لوحِ محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے،جس دن اللہ نے آسمانوں اورزمین کو پیدا کیا تھا۔ان (بارہ) مہینوں میں سے چارحرمت والے مہینے ہیں ،یہی دین (کا) سیدھاسادہ (تقاضا) ہے،لہٰذاان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پرظلم نہ کرو۔

سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اوران بارہ مہینوں میں چار مہینے’’محترم‘‘ ہیں۔زمانہ جاہلیت میں بھی یہ مہینے محترم تھے۔چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ:’’ آپ ﷺ کے پاس ’’وفدعبدالقیس‘‘ آیا،(یہ وفددو

مرتبہ آیا تھا: پہلی مرتبہ سن ٦ ہجری اور دوسری مرتبہ سن ٩ ہجری میں)۔تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں ایسے امور کی تعلیم دیجیے کہ جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو بھی جا کر بتائیں۔آگے اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی عرض کیا: کہ اے اللہ کے رسول! ''ہم آپ کے پاس ''اشہر حرام'' کے علاوہ مہینوں میں نہیں آسکتے ،اس لیے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر حائل ہے، جو کافر ہیں۔ان چار مہینوں میں وہ ہمارے ساتھ لڑائی نہیں کرتے ،وہ ان مہینوں کا احترام کرتے ہیں،اس لیے ہم ان مہینوں میں آپ کے پاس آتے ہیں، کیوں کہ ہمارا راستہ وہیں سے گذرتا ہے''۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں بھی اور اس کے بعد بھی یہ چار مہینے محترم تھے اور اب بھی محترم ہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مہینے اس لیے محترم ہیں خاص کر محرم کا مہینہ کہ اس میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔حالانکہ حقیقت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

دیکھیں! بعض الفاظ ایسے ہیں، جن کو ہم بھی استعمال کرتے ہیں ،اگر چہ استعمال نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ ہم کہتے ہیں ''امام حسین علیہ السلام''۔اب معنی کے اعتبار سے اس میں تو کوئی خرابی نہیں ہے، کیونکہ ''علیہ السلام'' کا معنی ہے ''اس پر سلامتی ہو''۔تو معنی تو اس کا بالکل ٹھیک ہے،لیکن یہ ایک اصطلاح ہے اور مسلمان اس کو انبیاء کرام کے لیے استعمال کرتے ہیں۔جیسے ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہیں ، دوسروں کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے۔اس طرح کسی ولی اللہ کے لیے ''رحمہ اللہ'' استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایسے ہی انبیاء کے علاوہ کسی اور کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنا جائز نہیں ، کیوں کہ یہ اصطلاح انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ہاں تبعاً کہہ سکتے ہیں،جیسا کہ خطبہ میں کہتے ہیں: ''وعلی الہ واصحابہ اجمعین'' ،صلی اللہ علیہ وعلی الہٖ''۔لیکن نام لے کر حضرت حسین ''علیہ السلام'' کہنا جائز نہیں۔

اسی طرح لفظ ''امام'' بھی ہے۔''امام' ماہر فی الفن کو کہا جاتا ہے، جیسے:فن حدیث میں ماہر ہو،اس کو حدیث کا امام کہا جاتا ہے وغیرہ۔لہذا (لفظ امام اس اعتبار سے کہ ماہر فی الفن کو کہا جاتا ہے) ''امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ'' کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ فقہ میں ماہر تھے۔امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کہہ سکتے ہیں،اس لیے کہ وہ حدیث کے بڑے امام تھے وغیرہ۔

اسی طرح امام پیشوا ہوتا ہے،،حکمران بھی امام ہے جو مسجد میں نماز پڑھاتا ہے وہ بھی امام ہے،تو ان

معانی کے اعتبار سے اگر لفظ امام کسی کے لیے استعمال کیا جائے تو کر سکتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن اس اعتبار سے کہ امام کا معنیٰ ''معصوم'' کے ہے، کسی کے لیے لفظ امام کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے امام حسین نہیں کہنا چاہیے، بلکہ حضرت حسینؓ کہنا چاہیے۔

یہ لوگ امام حسین اس معنی میں استعمال کرتے ہیں کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ حالانکہ معصوم عن الخطاء صرف نبی ہوتا ہے، نبی کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہوتا ہے۔ لہذا لفظ ''امام'' معصوم کے معنی میں غیر نبی کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔

تو عرض کر رہا تھا کہ دس محرم الحرام جس کو یوم عاشورہ کہا جاتا ہے، کی فضیلت اس کی اہمیت پہلے سے ہے، اس لیے نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اس میں پیش آیا۔ شہادت ایک بڑا مقام ہے۔ نبی کریم ﷺ خود شہادت کی تمنا کر کے فرمایا کرتے تھے:

"أللّهم رزقني شهادة في سبيلك".

اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت کی موت نصیب فرما۔

چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کو زہر دیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس زہر کے اثرات اب بھی میں محسوس کرتا ہوں۔ تو علما نے لکھا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی موت واقع ہوئی۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ بھی شہید ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ بھی شہادت کی تمنا کر کے فرمایا کرتے تھے:

"اللهم رزقني شهادة في سبيلك وموتاً ببلد رسولِك".

اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور نبی کریمؐ کے شہر میں مجھے موت عطا فرما۔

اب یہاں ''شہادت اور مدینہ میں موت'' بظاہر دونوں متضاد ہیں، کیوں کہ شہادت کے لیے جہاد میں نکلنا پڑتا ہے، پھر شہادت ملتی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موت کی دعا کی مدینہ منورہ میں۔ کہ مدینہ منورہ میں اندر رہ کر بھی آجائے اور شہادت بھی مل جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں دعائیں قبول فرمائیں۔ مدینہ منورہ میں موت آئی اور شہادت بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ایک ملعون نے پیچھے سے وار کیا، جس سے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ شہادت ایک بہت بڑا مقام ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے خواہش کی۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ دس محرم الحرام کو پیش آیا تو یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔اور دس محرم الحرام پہلے سے محترم ہے۔

سامعین محترم !ان سے پہلے بھی بہت سی شہادتیں واقع ہوئیں اور تقریباً ساٹھ سال بعد حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ان سے پہلے یکم محرم الحرام کو حضرت عمرؓ شہید ہوئے۔حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور حضرت عثمان غنیؓ کا اتنا بڑا مقام ہے کہ یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بیٹیاں ان کے نکاح میں دیں۔اب بعض ملعون قسم کے لوگ اُٹھ کر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق آپ ﷺ سے ہے یعنی وہ آپ ﷺ کی بیٹی ہے، باقی آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے۔اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔یہ صرف اور صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وحسد کی وجہ سے۔حالانکہ حضرت عثمانؓ وہ صحابی ہیں ، جن کو آپ ﷺ نے دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں دیں، ایک کی وفات ہوئی تو دوسری بیٹی دے دی۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں تو تمام کو یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دیتا۔وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہ آسمان کے فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔

اسی طرح ابوبکر صدیقؓ کو گالیاں دیتے ہیں، وہ ابوبکرؓ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ جو شخص بیٹھا ہوا ہے، ان کو میرا اسلام کہہ دینا۔وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اسلام میں بھی سب سے پہلے، معیت میں بھی سب سے پہلے، جہاد میں بھی سب سے پہلے اور مال قربان کرنے میں سب سے پہلے تھے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے موقع پر جب کفار پیچھے سے آ رہے تھے تو آپ ﷺ نے غار ثور میں پناہ لی اور غار ثور میں آپ کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔حضرت صدیق اکبرؓ نے جب مشرکین کو دیکھا کہ وہ تلاش کرنے کے لیے نکلے ہیں اور ان کی ٹانگیں نظر آئیں تو آپ ﷺ سے کہنے لگے: یا رسول اللہ! اگر ان کو پتہ چل گیا تو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: **"یا ابابکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما"**؟ (اے ابوبکر! کیا خیال ہے تیرا ان دونوں کے بارے میں، جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے)۔یعنی دو ہم اور ایک اللہ ہے۔جب اللہ

ہمارے ساتھ ہے تو یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

﴿ اِذ یَقُولُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾(التوبة:٤٠)

اس آیت میں مفسرین نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی صحابیت تو اپنی جگہ ہے، لیکن صدیق اکبرؓ کی صحابیت کو قرآن نے بتادیا۔ یہ وہ صحابی ہیں کہ ان کی صحابیت کا منکر قرآن کا منکر ہے اور جو قرآن کا منکر ہے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔تو﴿**اذ یقول لصاحبه لا تحزن انا الله معنا**﴾ کہ آپ غمگین نہ ہوں۔ یہ آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا۔اب ان کا غم کس کے لیے تھا؟مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ غم ان کی اپنی ذات کے لیے نہیں تھا، بلکہ ان کا غم آپ ﷺ کے لیے تھا کہ کہیں مشرکین آپ ﷺ کو دیکھ نہ لیں۔

اللہ کی معیت کے بارے میں مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ اللہ کی معیت کن کے ساتھ ہوتی ہے؟ اللہ کی معیت یا نبی کے ساتھ ہوتی ہے یا ولی کے ساتھ۔تو نبی موجود تھے، اس لیے ان کے ساتھ معیت تھی۔ دوسرے حضرت ابوبکر بھی ولایت کے درجہ پر پہنچ گئے تھے یعنی ایک نبی ہے اور دوسرا ولی ہے تو نبی کے ساتھ بھی اللہ کی معیت ہے اور ولی کے ساتھ بھی اللہ کی معیت ہے، اس وجہ سے فرمایا:﴿**ان الله معنا**﴾ ۔تو جو ابوبکرؓ کے خلاف بھونکتے ہیں، وہ ملعون ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا جو واقعہ ہے، اس بارے میں بخاری نے لمبی روایت نقل کی ہے۔اس کو کہتے ہیں واقعہ فدک۔ نبی کریم ﷺ کی تحویل میں بنونضیر کے اموال اور خیبر کے باغات تھے......ایک ملکیت ہوتی تھی اور ایک تحویل،ملکیت یہ ہے کہ مثلاً آپ کا گھر ہے، یہ آپ کی ملکیت ہے، اس میں خود تصرف بھی کر سکتے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے ورثا کے لیے یہ گھر میراث ہوگا، اس کو ملکیت کہتے ہیں۔اور تحویل یہ ہے کہ مثلاً سرکاری مال ہے، وہ آپ کی تحویل میں ہے، آپ کی ملکیت میں نہیں۔آپ کے جانے کے بعد یعنی آپ کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد یا مرجانے کے بعد اس کرسی پر جو آئے گا وہ اس کا متصرف ہوگا۔آپ کی اولاد وارث نہ ہوگی، کیوں کہ یہ سرکاری مال تھا۔......تو باغ فدک یا خیبر کے باغات یا بنونضیر کے مال آپ ﷺ کی تحویل میں تھے۔

جب یہ اموال حضرت ابوبکرؓ کی تحویل میں آئے تو فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"**انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقة**" ہم انبیاء کی جماعت کسی کو وارث نہیں بناتے ہیں، ہم جو چھوڑتے ہیں صدقہ

ہوتا ہے۔تو حضرت فاطمہؓ کو سمجھایا اور وہ سمجھ گئی۔بس یہ بات ختم ہوگئی۔تو پھر یہ اعتراض کرنا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حق نہیں دیا۔امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے،اس میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں اس مال میں وہ تصرف کرتا ہوں جو آپ ﷺ کرتے تھے۔اس مال سے ازواج مطہرات کو خرچہ دیا جاتا تھا،اس میں سے غریب صحابہؓ کو خرچہ دیا جاتا تھا۔انصار کے دوصحابہ تھے،وہ بھی غریب تھے،ان کو بھی اس مال سے خرچہ دیا جاتا تھا جو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔یہ تحویل میں تھا تو اس کا تصرف اللہ کے نبی ﷺ نے کیا،پھر صدیق اکبر نے کیا،پھر فاروق اعظم نے کیا۔

تو بہر حال یہ کہنا کہ وہ غاصب تھے(نعوذ باللہ) یا انہوں نے حق نہیں دیا تو اس طرح کے لوگ جو حضرت صدیق اکبرؓ کو مطعون کرتے ہیں،آپ پر تبرا کرتے ہیں تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

لہذا آپ کو پہلے بھی بتایا کہ اگر شہادت کی بات کی جائے تو حضرت عثمان ذی النورینؓ بھی شہادت کے مقام پر فائز ہیں۔حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا گیا،اعضا کاٹے گئے،تو وہ بھی شہادت کے درجے پر فائز ہیں۔ان کے لیے تو کوئی دن اور ماتم نہیں،حضرت عمرؓ کے لیے بھی کوئی دن اور کوئی ماتم نہیں ہے،حضرت عثمانؓ کے لیے بھی کوئی رونا دونا نہیں اور بھی بہت سارے صحابہ شہید ہوئے،کسی کے لیے بھی کوئی ماتم اور جلوس نہیں۔تو حضرت حسینؓ کے لیے ماتمی دن،بلکہ ایک عشرہ مختص کیوں؟

میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ساتھ ظلم نہیں ہوا یا ان کی شہادت دردناک نہیں تھی،یا ان پر رونا اوران کی قربانی کی یادتازہ کرنا کوئی گناہ ہے۔حضرت حسینؓ کا عظیم مقام اپنی جگہ مسلّم ہے۔’’آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے پھول ہیں اور فرمایا:اے اللہ!جو ان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت کر۔یہ آپ ﷺ نے دعا کی ہے‘‘۔آپ ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی تحنیک فرمائی۔اس سے بڑی فضیلت کیا ہوسکتی ہے۔ان کی فضیلت اوران کا مقام اپنی جگہ ہے،لیکن ان کو وہ مقام دینا کہ وہ انبیاء سے بھی بڑھ کر ہوں،یہ اسلام کی بات نہیں ہے۔حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت حسینؓ تک سارے کے سارے صحابہ عادل ہیں اور محترم ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ فضیلت کے درجے پر سرفراز ہیں۔

دوسری بات عاشورا کا دن ہے۔عاشورہ کے حوالے سے جو تعلیم شریعت نے ہمیں دی ہے،وہ صرف اتنی ہے کہ عاشورا کے دن آپ روزہ رکھیں،کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی عاشورا کا روزہ رکھتے تھے،

جب فرعون کی غرقابی ہوئی اور حضرت موسی علیہ السلام اوران کی قوم کواللہ نے اسی دن نجات دی تھی تو آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور دیکھا تو فرمایا: کہ ہم تو موسی علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں ۔خود بھی روزہ رکھااور دوسروں کو بھی روزے کا حکم دیا۔پھر آخر میں آپ ﷺ کے وصال کے قریب جب عاشورا گزرا تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ سال اگر اللہ نے مجھے توفیق دی اور زندگی دی تو عاشورا کے دن میں روزہ رکھوں گا،لیکن ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھوں گا،تا کہ یہود کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے ۔آپ ﷺ نے فرمایا:"**خالفوا المشرکین**"مشرکین کی مخالفت کرو'یعنی اعمال کے اندراور عبادات کے اندران کی مشابہت اختیار نہ کرو۔روزہ عبادت ہے،اللہ کے نبی نے روزہ رکھنے میں بھی مشابہت کو گوارہ نہ کیا۔اس لیے روزہ نو دس عاشورا کا رکھیں یا دس و گیارہ کا رکھیں۔

تیسری بات ایک ضعیف روایت ہے،لیکن فضائل میں آپ ضعیف روایت پر بھی عمل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ضعف شدید ترین نہ ہواور اصول دین سے تصادم نہ ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ دس محرم کو اپنے اہل وعیال پر(یعنی جواس کے بچے ہیں،گھر والے ہیں،ملازم ہیں)ان پر کھانے میں وسعت سے کام لے یعنی معمول سے ہٹ کر(روزانہ جو کھانا دیا جاتا ہے اس سے)اچھا کھانا ان کو کھلائے تو اللہ تعالی ان کے رزق میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔تو اگر اس پر عمل کر لیں تو اچھی بات اور فضیلت ہے۔

علما اور بزرگانِ دین نے اس کا عملی تجربہ کیا ہے کہ اللہ تعالی روزی میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فلا تظلموا فیھن انفسکم﴾

کہ یہ جو چار مہینے محرم ہیں،ان میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو یعنی ان مہینوں میں بدعت کا ارتکاب نہ کرو،خرافات کا ارتکاب نہ کرواور گناہوں کا ارتکاب نہ کرو۔تو اب ہمارے ہاں بدعت کے مرتکب لوگ زیادہ ہیں۔میں ان سے بات کر رہا ہوں جو اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں یعنی جو سنّی ہیں۔باقی جو کرتے ہیں،وہ ان کا اپنا مسلک ہے، ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے،لیکن ہمارے ہاں جو حلیم بنائی جاتی ہے یا دیگر کھانے بنا کر خاص اسی دن اس کا صدقہ کیا جاتا ہے،شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں،اس کا کوئی اصل نہیں

ہے۔ جو اعمال آپ کو شریعت نے بتائے ہیں، وہ روزہ رکھنا اور اپنے گھر والوں پر رزق کی فراخی ہے، اس کے علاوہ یوم عاشورا کا کوئی بھی عمل آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

2022\Family page no 34.jpg not found.

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

غصہ ختم کرنے کا نبوی علاج

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمده ونصلّي ونسلّم على رسوله الكريم ......أما بعد !فأعوذبالله من الشيطان الرجيم ،بسم اللّه الرحمن الرحيم .قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾(آل عمران:١٣٤)وقال النبي ﷺ : "إن الغضب من الشيطان، وإن الشيطان خلق من النار". (مسند أحمد:٥٠٥/٢٩، رقم: 17985 ، سنن أبي داؤد، باب ما يقال عند الغضب: رقم : 4152)

تمہید:

حمد وثنا کے بعد جو آیتِ کریمہ اور حدیثِ مبارک آپ کے سامنے پیش کی، اللہ تعالیٰ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے متقین کی چند صفات بیان فرمائی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلی صفت: خوشحالی اور بدحالی دونوں حالتوں میں (اللہ کے لیے) مال خرچ کرنا

دوسری صفت: غصہ کو پی جانا

چونکہ یہاں موضوعِ سخن دوسری صفت سے متعلق ہے، اس وجہ سے یہاں صرف دوسری صفت تفصیل سے بیان کی جائے گی۔

آمدم بر مقصد:

دوستو! غصہ آجانا ایک طبعی اور فطری امر ہے، لیکن اس پر قابو پالینا، اس کو پی جانا اور معاف کردینا یہ احسان اور نیکی ہے۔ اسی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو متقین کی صفت قرار دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾(آل عمران:١٣٤)

اور (متقین وہ لوگ ہیں) جو غصہ کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

واقعہ :

امام بیہقی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی ابن حسینؒ (امام زین العابدین) کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز (باندی) آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی ابن حسینؒ کے اوپر گرا، تمام کپڑے بھیگ گئے، غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ یہ سنتے ہی علی بن حسینؒ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو کر بالکل خاموش ہو گئے، اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ پڑھ دیا تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے بھی معاف کر دیا، کنیز بھی ہوشیار تھی، اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بھی سنا دیا، جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے تو حضرت علی بن حسینؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ جا! میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ (معارف القرآن، بحوالہ روح المعانی)

تو متقین کی صفت یہ ہے کہ جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو اس وقت وہ غصے پر قابو پا کر غصہ کو پی جاتے ہیں۔

اور دیکھو! میں آپ کے سامنے ایک حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إن الغضب من الشیطان، وإن الشیطان خلق من النار“. (مسند أحمد)

غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے (یہ شیطانی اثر ہوتا ہے) اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔

تو جس طرح آگ میں علو اور حرارت ہوتی ہے، اسی طرح چونکہ شیطان ناری مخلوق ہے، اس میں بھی آگ کی حرارت و علو (تکبر) ہوگی۔ پھر فرمایا: ”اِتقوا الغضب فانه جمرة تتوقع في قلب ابن آدم“. غصے سے بچو! اس لیے کہ یہ آگ کا ایک شعلہ ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ہے کہ (انسان کو) جب غصہ آتا ہے تو اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور اسکی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، غصے کے اثرات چہرے پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

تو غصہ کا شیطانی اثر ہونا دو اعتبار سے ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آگ سے بنایا ہے

اور آگ میں حرارت ہوتی ہے، اس وجہ سے جب انسان غصہ ہوتا ہے تو اس میں حرارت آجاتی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ شیطان میں تکبر اور علو پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو غصہ ہمیشہ اُس شخص پر آتا ہے جو کمزور ہوتا ہے، کیونکہ کمزور کے مقابلے میں یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور جو اس سے اوپر درجے کا ہوتا ہے، اس کے سامنے بلڈ پریشر ہائی نہیں ہوتا۔ یعنی اس پر غصہ نہیں آتا۔

لطیفہ:

ایک ہاتھی بہت مست اور بے قابو ہوگیا تھا۔ لوگ پکڑنے لگے، لیکن وہ گرفت میں نہیں آرہا تھا۔ تو ایک تجربہ کار آدمی نے اُن سے کہا کہ اِسے شیر کا پنجرہ دکھاؤ۔ چنانچہ جب اس نے شیر کا پنجرہ دیکھا تو اس کا غصہ اور ساری مستی ختم ہوگئی۔

تو غصہ ہمیشہ ماتحت، مزدور اور کمزور قسم کے لوگوں پر آتا ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ دفاتر میں افسر لوگ اپنے ملازمین پر بات بات پر غصہ نکالتے ہیں، انہیں ڈھانٹتے ہیں، حالانکہ یہ اچھی بات نہیں، لیکن یہی لوگ جب اپنے بالا افسران سے ملتے ہیں تو فوراً نارمل ہوجاتے ہیں اور طبیعت میں مسکنت اور عاجزی پیدا ہوجاتی ہے۔

غصہ ختم کرنے کا پہلا علاج:

غصہ پر قابو پانے کا علاج یہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

"فإذا غضب أحدکم فلیتوضأ". (سنن أبی داؤد، باب ما یقال عند الغضب: رقم: 4152)

کہ جب تمہیں غصہ آئے تو وضو کرلیا کرو۔

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ علاج بالضد ہے، جو کہ اصل الاصول ہے۔ تو چونکہ آپ ﷺ بڑے معالج اور طبیب تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب غصہ آئے تو وضو کرو۔ چنانچہ جیسا کہ بتایا گیا کہ غصہ کی وجہ سے انسان میں حرارت اور تکبر پیدا ہوجاتا ہے تو جب آپ وضو کریں گے تو وہ حرارت دور ہوجائے گی، کیونکہ وضو میں پانی استعمال کرنا پڑتا ہے اور پانی کی خاصیت برودت یعنی ٹھنڈک ہے۔ اسی طرح وضو چونکہ عبادت ہے اور عبادت سے تکبر دور ہوجاتا ہے، کیونکہ عبادت میں عاجزی ہوتی ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اس کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ ایک تو آگ کا جوش ختم ہوجائے گا اور دوسرا

شیطان کی شیطنت (تکبر) دب جاتی ہے، لہذا جب بھی غصہ آجائے تو وضو کرلیا کرو۔ یہ نبوی علاج ہے۔

دوسرا علاج :

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب غصہ آجائے تو اگر آپ کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں اور اگر آپ بیٹھے ہیں تو لیٹ جائیں ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان غصہ کے وقت اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے (جیسا کہ پہلے گذر چکا)۔اور بیٹھ جانے یا لیٹ جانے کی صورت میں انسان زمین کے قریب ہوجاتا ہے،جبکہ زمین کی ایک صفت ہے تواضع وانکساری ۔ تو جب آپ زمین کے قریب ہوجائیں گے تو آپ میں تواضع وانکساری پیدا ہوجائے گی۔جس سے آپ کا تکبر ختم ہوجائے گا اور تکبر کے ختم ہوجانے سے غصہ دور ہوجائے گا۔تو غصہ ختم کرنے کا یہ دوسرا علاج آپ ﷺ نے ہمیں بتادیا۔

تیسرا علاج:

چونکہ غصہ ایک طبعی امر ہے تو انسان ہونے کے ناطے ایک مرتبہ دو صحابی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور آپ ﷺ نے اُنہیں دیکھ لیا تو فرمایا:

" إني لأعرف كلمة لو قالها لذهب عنه الذي يجد : أعوذ بالله من الشيطان الرجيم. (صحيح مسلم ، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب: رقم : **2610**)

میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ وہ پڑھ لیں تو ان کا غصہ ختم ہوجائے گا اور وہ کلمہ ہے:

"أعوذ بالله من الشيطان الرجيم "۔

تو چونکہ غصہ شیطانی اثر ہوتا ہے تو جب آپ تعوذ پڑھیں گے تو شیطان بھاگ جائے گا اور شیطان کے بھاگ جانے سے آپ کا غصہ بھی رفع ہوجائے گا۔تو یہ تیسرا علاج ہوا غصہ ختم کرنے کا۔

چوتھاعلاج:

حضرت ابومسعودالانصاریؓ فرماتے ہیں کہ:

"كنت أضرب غلاما لي فسمعت من خلفي صوتا:" إعلم أبا مسعود ! لَللّٰه أقدر عليك منك عليه، فالتفت فإذا هو رسول الله ﷺ،فقلت: يارسول الله ! هو حر لوجه الله".(صحيح مسلم ،كتاب الأيمان ،باب صحبة المماليك : ٩٢/٥، رقم

الحدیث : 1659)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میرا ایک غلام تھا، میں اس کو مار رہا تھا۔ تو پیچھے سے یہ آواز آئی کہ ''اے ابو مسعود! جس پر تمہیں قدرت ہے، اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے، اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ طاقتور ہے۔'' تو جب میں نے پیچھے دیکھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ تھے۔ تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس کو آزاد کر دیا۔

اس حدیث میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب بھی کسی (ماتحت) پر غصہ آئے تو اس حدیث میں غور کریں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ مجھ پر قدرت رکھنے والے ہیں۔ اگر میرے حقوق ماتحتوں پر واجب ہیں تو مجھ پر بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق لازم ہیں، پس میں کیوں اس پر زیادتی کروں۔

واقعہ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ بہت بڑے مصنف گزرے ہیں، فضائل اعمال سمیت بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ نیز عربی میں اوجز المسالک کے نام سے مؤطا امام مالکؒ کی ایک مایہ ناز شرح بھی لکھی ہے۔ ایک مرتبہ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ حضرت مولانا الیاسؒ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کا ایک خادم تھا، شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے اس پر غصہ کیا تو وہ خادم معافی مانگ رہا تھا، تو شیخ الحدیثؒ نے فرمایا: بار بار آپ غلطی کرتے رہتے ہیں، روزانہ آپ غلطی کرتے ہیں، روزانہ میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ اگر روزانہ آپ اس طرح غلطیاں کرتے رہیں گے تو میں آپ کو کتنا بھگتوں گا؟ حضرت مولانا الیاسؒ نے فرمایا کہ اتنا بھگتو، جتنا قیامت کے دن خود تمہیں بھگتنا ہے، اتنا معاف کرو جتنا اپنے آپ کو معاف کرانا ہے۔

یہ حضرت مولانا الیاسؒ کے الفاظ تھے۔ لہذا جب بھی کسی پر غصہ آئے تو اللہ کی طاقت کو سوچ لیا کریں۔

دوسرا واقعہ :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگی تو درحقیقت یہ سارا پروپیگنڈہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے رچایا تھا۔ دو تین مخلص مسلمان اپنی سادہ لوحی سے منافقوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے تھے، ان میں ایک مسطح بن اثاثہ بھی تھے، جو مہاجر صحابی تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت ابوبکر

صدیقؓ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔تو جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کا پتہ چلا کہ حضرت مسطح نے بھی حضرت عائشہؓ کے خلاف ایسی باتیں کی ہیں تو قسم اٹھائی کہ میں آئندہ کے لیے تمہارے ساتھ تعاون نہیں کروں گا۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾(النور:٢٢)

ترجمہ:اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں،وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں،مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور انہیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا،بڑا مہربان ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب یہ آیت سنی تو فرمایا:

"واللہ إني أحب أن يغفرلي".

اللہ کی قسم میرا جی چاہتا ہے کہ اللہ مجھے معاف کرے۔یہ تھا صحابہ کا عمل کہ غصہ کو یک دم ختم کردیا۔

یہ چار علاج مختلف احادیث میں ہمیں بتائے گئے۔

پانچواں علاج:

ایک اور علاج حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ جس پر آپ غصہ کریں اور اس کو ذلیل کریں تو اس کے بدلے میں اس سے معافی مانگ لیں۔ایک دو مرتبہ ایسا کروگے تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔

چھٹا علاج:

حضرت تھانویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب آپ کو زیادہ غصہ آئے (بعض لوگ زیادہ غصہ کرتے ہیں) تو اکیس (۲۱) مرتبہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر پانی پر دم کیا کریں اور اس کو پی لیں۔یا اکیس (۲۱) مرتبہ نماز کے بعد ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا کریں،اللہ تعالیٰ غصہ ختم فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

﴿ادبیات﴾

مسلمانوں کی زبان عربی ہے

مولانا میاں شاہ عادل صاحب
(فرزند مولانا میاں محمد شفیق رحمہ اللہ)

ہر مسلمان فطری طور پر عربی زبان سے لگاؤ رکھتا ہے، عربی کی محبت اس کی فطرت میں رکھی گی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ عربی ہیں اور جنتیوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کا انتخاب کیا ہے۔ بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج دینی علوم پڑھے ہوئے کسی شخصیت سے اگر یہ کہا جائے کہ **"أيـن بيتك؟"** (آپ کا گھر کہاں ہے؟) تو بجائے اس کے کہ بولے **"بيتي في جارسده"** (میرا گھر چارسدہ میں ہے) تو جواب میں بولتا ہے کہ **"بيتك في جارسده"** (تیرا گھر چارسدہ میں ہے)۔

دراصل یہ توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہے اور عربی زبان میں تکلم کی اہمیت ہمارے سامنے نہیں ہے تو کوشش کرتا ہوں کہ پہلے اس کی اہمیت بیان کروں اور پھر اس کے اجراء کا طریقہ عرض کروں۔

آج غیروں کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں انگریزی زبان عام ہے، حالانکہ نہ تو یہ ہماری مادری زبان ہے اور نہ قومی زبان۔ اس پر ظلم بالائے ظلم یہ کہ ہم اس کو ترقی کا معیار سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ہماری کھلی غلطی ہے۔ انگریزی زبان کو صرف زبان کی حد تک سیکھا جائے تو مضائقہ نہیں۔

آج سے تیس (۳۰) سال پہلے سکولوں میں تمام مضامین کی کتابیں مادری زبان میں تھیں، سوائے اردو اور انگریزی کے۔ اس لیے کہ یہ ایک مستقل زبان کا درجہ رکھتے ہیں۔ آج غیروں نے ہمارے ذہنوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے، جس کے نتیجے میں سکولوں میں نصاب کی تمام کتابیں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں۔ گیس اور بجلی کے بل انگریزی زبان میں چھپوائے جاتے ہیں، حالانکہ نہ تو بھیجنے والے انگریز ہیں اور نہ وہ جن کے پاس بل بھیجا جاتا ہے۔ عدالتوں میں فیصلے انگریزی زبان میں لکھے جاتے ہیں، حالانکہ نہ مدعی انگریز

ہوتا ہے اور نہ مدعی علیہ، نہ جج صاحب انگریز ہوتا ہے نہ وکیل اور نہ ہی عدالت کے اندر یہ زبان بولی جاتی ہے ۔دراصل مسلح جنگ سے زیادہ خطرناک **"الغزو الفكري"** یعنی سوچ اور فکر کو قابو میں کرنے کا جنگ ہے، جس میں غیر لوگ کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔

اپنے ملک کے پڑھے ہوئے ذی استعداد ڈاکٹرز اور انجینئرز یورپی ملکوں میں جاکر وہاں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں، حالانکہ ایک زمانہ تھا کہ کافروں کے ملک میں جانے کو کفر سے تشبیہ دی جاتی تھی۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہاں تو مساجد اور دینی مراکز ہیں، لیکن درحقیقت یہ ان شکاریوں کے جال ہیں اور اس جال سے مسلمانوں کو شکار کر کے ان کو دین سے متنفر کیا جاتا ہے۔

مشاہدہ ہے کہ جو خاندان کافروں کے ہاں تقریباً پچاس سال کا عرصہ گزارتے ہیں تو ان کی آنے والی نسل صرف یہ جانتی ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔باقی اپنے مذہب اور دین سے بے خبر ہوتے ہیں۔

عربی زبان میں بات کرنے کے فوائد:

اگر سب مسلمان عربی زبان میں بات کرنا شروع کر دیں تو اس سے قومی تعصب کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جاسکتا ہے اور اسلام دشمن عناصر جو آج مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کرنے پر اپنا زور لگا رہے ہیں، ان کے منصوبوں کو ناکام بنایا جاسکتا ہے۔

عربی تکلم سے انسان کی شخصیت پر کافی اچھا اثر پڑتا ہے، اس سے وقار اور سنجیدگی کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے، جو دین اور دنیا کے تمام کاموں میں معین اور مددگار رہے۔دراصل ہر زبان اپنے ساتھ اپنی ثقافت کھینچ کر لاتی ہے تو اس طرح عربوں کی صفات یعنی دلیری، شجاعت، خودداری، مہمان نوازی، دین کی خاطر جان، مال اور وقت کی قربانی، حیا اور پاکدامنی جیسی صفات سے انسان آراستہ ہوسکتا ہے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ پاکستان عالم اسلام کے لیے مرکز بن سکتا ہے، اس لیے کہ فصیح عربی آج عرب ممالک میں بھی معدوم ہے۔وہاں کے عوام آپس کی بولی میں بہت تخفیف سے کام لیتے ہیں۔ایک یمنی مہمان سے بندہ نے عرض کیا:

"هل أخبرت الأمير ؟"

کیا آپ نے امیر صاحب کو بتایا ہے؟

جواب میں کہنے لگا:

"گُلْتُلُهٗ".

کافی سوچ وبچار کے بعد پتہ چلا کہ وہ **"قلت له"** کہنا چاہتا ہے۔

اگلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے پاکستان کے عرب ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور زیادہ پختہ ہوسکتے ہیں۔

پاکستان میں یہ مہم چلانا بنسبت دوسرے ممالک کے آسان ہے، اس لیے کہ ایک اندازے کے مطابق جتنے علما اور دینی مدارس پاکستان میں ہیں، اتنے دوسرے ممالک میں نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ عوام الناس دین اور دینداروں سے دلی محبت بھی رکھتے ہیں۔

لغت عربی کے لیے اہم امور:

لغتِ عربی چار چیزوں کے مجموعے کا نام ہے:

(۱)......الاستماع (سننا) (۲)......التکلم (بولنا)

(۳)......القراءۃ (پڑھنا) (۴)......الکتابۃ (لکھنا)

دینی مدارس میں زیادہ توجہ عربی لکھنے پر دیتے ہیں۔ کاپیاں اور رجسٹر بھر کر اپنے پاس سنبھال کر رکھتے ہیں۔ پہلے زمانے کے کبار علما اور مشائخ نے فصیح عربی میں ایسی کتابیں لکھی ہیں کہ آج تک عرب علما اُن کی علمیت کے قائل ہیں، لیکن عربی تکلم میں کمی کی خلا ابھی تک کماحقہ پُر نہیں ہوسکی۔ اس کی مثال یوں ہے: کہ ایک بندہ جو صرف پشتو بول سکتا ہے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتا، اس کے بارے میں کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ پشتو سے ناواقف ہے۔ اسی طرح آپ کسی عرب سے فصیح عربی میں بات کریں تو وہ آپ کو یقیناً عالم سمجھ لے گا، اگرچہ آپ کو ابھی تک عربی میں لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو۔

عربی تکلم تمام مسلمانوں میں شروع کرنے کے لیے ابتدا دینی مدارس سے ہوگی اور مدرسہ کے اندر درس گاہ سے ابتدا ہوگی کہ تمام اساتذہ درس گاہوں میں عربی بولیں۔ مثلاً استاد طلبہ سے یوں کہے:

"هل حفظتم درس الأمس ؟ ، إقرء العبارة يا ولد ، توقف يا ولد ، واصلِ القراءةَ.

اور سبق یاد نہ کرنے کی صورت میں سزا کے طور پر یوں کہے:

"تشرف بالقيام ، وغير ذلك".

خاص طور پر لغتِ عربی، عربی ادب اور انشاء پڑھانے والے استاد کو اپنے اوپر عربی تکلم لازم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

طلبہ میں عربی تکلم شروع کرنے کا طریقہ :

شروع میں طلبہ کو تعارف سے متعلق حوار لکھوا کر اس طرح یاد کرائیں کہ استاد حوار کو صحیح تلفظ کے ساتھ دو بار پڑھے اور طلبہ سنیں، پھر استاد پڑھتا جائے اور طلبہ ان کے پیچھے پیچھے پڑھتے جائیں، پھر فرداً فرداً کئی طلبہ سے پڑھوا کر بولے کہ:

"أُريدكم مثنىٰ مثنى وراجعوا هذا الحوار".

طلبہ آپس میں دو دو ہو کر اس حوار کو دو تین بار پڑھیں، تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

اس کے بعد امر اور نہی کے بعض کثیر الاستعمال جملے یاد کرائے مثلاً "**تنح قليلاً**، (تھوڑا اس طرف ہو جاؤ) **أعرني قلمك** (اپنا قلم تھوڑی دیر کے لیے دیدو) **استمع الى المعلم** (استاد کی طرف دھیان دو)'' نہی کے جملے جیسے "**لا تشاغب في الفصل** (درسگاہ میں شور نہ مچاؤ) **لا تزعجني يا اخي** (اے بھائی! مجھے تنگ نہ کرو)، **لاتستهزأ بأحد** (کسی کا مذاق مت اُڑا) وغیرہ۔

اگلے دنوں میں مطعم، مہجع یعنی سونے کی جگہ اور محل الوضو سے متعلق حوارات یاد کرا کر طلبہ پر کلاس میں بولنا لازم کر دیں۔ کچھ دنوں بعد ان طلبہ پر مدرسہ میں عربی بولنا لازم کر دیں، پھر مدرسہ سے باہر ٹہلنے کے اوقات میں لازم کر کے مراقبین یعنی نگران مقرر فرمائیں کہ جو بھی طالب علم غیر عربی زبان بولے، اس کا نام نوٹ کر کے پیش کریں۔ اگر مراقب کوئی بھی نام پیش نہ کرے تو اس کو بطورِ سزا کھڑا کرے کہ کیوں نام نہیں لکھے۔ اس طریقے سے طلبہ کی آپس میں خفگی کا خاتمہ ہوگا کہ مراقب سمجھے گا کہ اگر میں نام پیش نہ کروں تو مجھے سزا مل سکتی ہے۔ جس سے عربی کتابوں کا سمجھنا بھی آسان ہوگا۔ اس لیے کہ سارا دن ان کا واسطہ کتبِ عربی سے ہے، جب وہ عربی تکلم کریں گے تو انہی کتب سے کما حقہ استفادہ کر سکیں گے۔

اپنا دردِ دل سادہ الفاظ میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

دارالافتاء

مفتی حمیداللہ جان

0333-9133080

اپنے مسائل کا جواب پوچھنے کے لیے آپ ماہنامہ ندائے حسن کے ڈاک پتے یا ای میل پر سوال بھیج سکتے ہیں۔
سوال پوچھنے میں یہ خیال رکھیں کہ وہ مفید اور قابل اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی طور پر اختلافی نہ ہو۔

سرکاری ملازم کا اپنا کام دوسرے کے حوالہ کرنا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک کلاس فور ملازم ہوں، لیکن میں نے اپنی جگہ کسی دوسرے آدمی کو مقرر کر دیا ہے اور میں اپنی تنخواہ میں سے کچھ اس کو دیتا ہوں۔ میں خود بھی کبھی کبھار وہاں دیکھنے چلا جاتا ہوں تو آیا میرا یہ کام شرعاً جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی طور پر اجیر خاص اپنے آپ کو حوالہ کرنے یعنی مقررہ وقت تک خود کو متعلقہ اِدارے میں پابند بننے سے اجرت کا مستحق ہوتا ہے، اس لیے اس کا اپنی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرنا جائز نہیں ہوتا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ آپ ایک سرکاری ملازم ہیں اور سرکاری ملازمین اجیر خاص کے حکم میں ہوتے ہیں، اس لیے آپ کا اپنی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرنا اور اس کو تنخواہ میں سے ایک مخصوص مقدار دینا شرعاً جائز نہیں۔ نیز یہ کہ حکومت کی طرف سے بھی اس کی اجازت نہیں ہوتی، بلکہ اس کو جرم شمار کیا جاتا ہے اور حکومتِ وقت کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے۔

والدلیل علی ذلک:

الأجیرالذی استوجب علی أن یعمل بنفسه لیس له أن یستعمل غیره.

(شرح المجلة للأ تاسي،المادة:571)

الاجيـرالـخاص من يستحق الأجربتسليم نفسه وبمضى المدةولايشترط العمل في حقه لاستحقاق الاجر.(الهنديه:500/4)

طاعة الامام فيماليس بمعصية واجبة. (ردالمحتار:53/2)

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆

دینِ متین کی نشر واشاعت اور اسلامی صحافت کی ترویج میں

"ماھنامہ ندائے حسن چارسدہ" کا ساتھ دیجیے!!

مدیر مسؤل: مفتی حمید اللہ جان

دینِ متین کی نشر واشاعت میں ماہنامہ ندائے حسن کا ساتھ دینے کے لیے آپ خود بھی اس کے قاری بن جائیں اور اپنے اعزہ واحباب کو بھی اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری اور آپ کی دعوت سے کسی مسلمان بھائی و بہن کو قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور زندگی سنوارنے کا موقع مل جائے اور ہم اس کے نیک اعمال میں برابر کے حصہ دار بن جائیں!

مستقل قاری بن کر آپ صرف 300 روپے سالانہ میں گھر بیٹھے ماہنامہ ندائے حسن کا شمارہ پڑھ سکتے ہیں۔ آج ہی اپنا نام اور ڈاک پتہ بھیج کر اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں اپنا حصہ ڈالیں۔

﴿تحقیقی مقالات ومضامین﴾

ایک رکعت وتر کی شرعی حیثیت......غیر مقلدین کا فریب

اوراس کا منہ توڑ جواب

مفتی کرامت شاہ

غیر مقلدین کے مشہور عام حکیم صاحب نے سبیل الرسول،ص:۲۵۱پرحدیث اورفقہ کا اختلاف ثابت کرنے کے لیے تیرہ نمبر پر ایک رکعت وتر کا مسئلہ بیان کیا ہے:

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث سے استدلال:

وَمَن أَحَبَّ أَن یُوتِرَ بِثَلَاثٍ فَلیَفعَل وَمَن أَحَبَّ أَن یُوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلیَفعَل."

(ابوداؤد،باب کم الوتر:ج۱،ص۳۹۲، حدیث نمبر۱۴۲۲،مشکوٰۃ،کتاب الصلوٰۃ باب الوتر،ج:۱،ص:۳۹۶،حدیث نمبر۱۲۶۵،ابن ماجہ)

حضورﷺ فرماتے ہیں جو وتر تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھے اور جو وتر ایک رکعت پڑھنا چاہے، وہ ایک رکعت پڑھ لے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

"الوتر رکعة من اخر اللیل".

(مسلم،کتاب صلوٰۃ المسافرین،ج:٦،ص:١٥٤)

ترجمہ: وتر رات کے آخری پہر میں ایک رکعت ہے۔

فقہ کا اختلاف:

حضورﷺ کے فرمان سے وتر ایک رکعت بھی ثابت ہوا، پس ایک رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن فقہ کے مطابق ایک رکعت نہیں پڑھ سکتے، حکم ہوتا ہے:

"الوتر ثلاث رکعاتٍ".(الھدایه،باب الصلوٰۃ)

ترجمہ: وتر تین رکعت ہے۔

اس کا منہ توڑ جواب :

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث سے خود ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے تین رکعات وتر پڑھنے کی عادت خود اختیار فرمائی ہے تو پھر احناف کو طعن دینا کس بات کی ۔غیر مقلدین کو ایک رکعت پڑھنے کی دلیل معلوم ہے اور جب احناف تین پڑھنے لگے تو ان پر مخالفت سنت کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے۔

احناف کے دلائل:

دلیل نمبر ۱ :

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بنِ عَبدِ الرَّحمَنِ أَنَّهُ أَخبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا كَيفَ كَانَت صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَقَالَت: مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيرِهِ عَلَى إِحدَى عَشرَةَ رَكعَةً يُصَلِّي أَربَعًا فَلَا تَسأَل عَن حُسنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَربَعًا فَلَا تَسأَل عَن حُسنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا. (بخاری:۱/۱۵٤،مسلم:۱/۲۵٤)

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا معمول کیسا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعت پڑھتے تو اس کے حسن اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو پھر چار رکعت پڑھتے تو اس کے حسن اور طول کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ ﷺ تین رکعات (وتر) پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر ۲ :

عَنْ عَبدِ العَزِيزِ بنِ جُرَيجٍ قَالَ: سَأَلنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَت: كَانَ يَقرَأُ فِي الأُولَى: بِسَبِّحِ اسمَ رَبِّكَ الأَعلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُل يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُل هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَالمُعَوِّذَتَينِ.

(ترمذی: ۱/۱۰۶)

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن جریجؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں کیا پڑھتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں ﴿سبح اسم ربک الاعلیٰ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قل یآیھا الکٰفرون﴾ اور تیسری رکعت میں ﴿قل ھواللہ احد،قل اعوذبرب الفلق اور قل اعوذبرب الناس﴾ پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر۳:

عَن سَعدِ بنِ هِشَامٍ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِي رَكعَتَيِ الوِترِ.(سنن النسائي،باب كيف الوتر بثلاث:۱/۲۴۸)

سعد بن ہشامؒ سے روایت ہے کہ ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

دلیل نمبر۴:

عَن أُبَيِّ بنِ كَعبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ كَانَ يَقرَأُ فِي الأُولَى بِسَبِّحِ اسمَ رَبِّكَ الأَعلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُل يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُل هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ.(سنن النسائي،باب كيف الوتر بثلاث:۱/۲۴۸)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔پہلی رکعت میں ﴿سبح اسم ربک الاعلیٰ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قل یآیھا الکٰفرون﴾ اور تیسری رکعت میں ﴿قل ھواللہ احد﴾ پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر۵:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

ثم اوتر (رسول اللہ ﷺ) بثلاث.(صحيح مسلم:۱/۲۶۱)

پھر (رسول اللہ ﷺ) تین رکعات پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر٦:

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقرَأُ فِي الوِترِ: بسَبِّحِ اسمَ رَبِّكَ الأَعلَى وَ قُل يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ وَ قُل هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي رَكعَةٍ رَكعَةٍ.

(جامع الترمذي،باب ماجاء مايقرأفى الوتر:١/١٠٦)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں ﴿سبح اسم ربک الاعلیٰ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قل یا ٓیھا الکٰفرون﴾ اور تیسری رکعت میں ﴿قل ھواللہ احد﴾ پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر٧:

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يوتر بثلاث.

(سنن النسائي،باب كيف الوتر بثلاث:١/٢٤٩)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر٨:

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيلِ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ .(سنن النسائي،باب كيف الوتر بثلاث:١/٢٤٩)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو آٹھ رکعات (تہجد) پڑھتے تھے اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر٩:

عن عليؓ قال : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يوتر بثلاث .

(جامع الترمذي:١/١٠٦)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تین رکعات پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر١٠:

قَالَ القَاسِمُ: وَرَأَينَا أُنَاسًا مُنذُ أَدرَكنَا يُوتِرُونَ بِثَلَاثٍ.

(بخاري، باب ماجاء في الوتر:١/١٣٥)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا، اس وقت سے ہم لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ تین رکعات وتر پڑھتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۱:

عَنِ بْنِ عَبّاسٍ اَنّہ کَانَ یُوْتِرُ بِثلاَثٍ.

(سنن النسائي،باب ماجاء في الوتر:١/٢٤٩)

حضرت ابن عباسؓ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر۱۲:

عَن عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ أَنَّهُ أَوتَرَ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ لَم يَفصِل بَينَهُنَّ بِسَلَامٍ.

(مصنف ابن أبي شيبة ، من كان يوتر بثلاث:٢/٩٠)

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے، بیچ میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

دلیل نمبر۱۳:

عَن أَنَسٍ أَنَّهُ أَوتَرَ بِثَلَاثٍ لَم يُسَلِّم إِلَّا فِی آخِرِهِنَّ .

(مصنف ابن أبي شيبة، من كان يوتر بثلاث:٢/٩٠)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ وتر تین پڑھتے تھے اور سلام آخر میں پھیرتے تھے۔

دلیل نمبر۱٤:

عَن عُثمَانَ بنِ غِيَاثٍ قَالَ: سَمِعتُ جَابِرَ بنَ زَيدٍ يَقُولُ: الوَترُ ثَلَاثٌ.

(مصنف ابن أبي شيبة، من كان يوتر بثلاث :٢/٩٠)

عثمان بن غیاثؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کو یہ کہتا ہوئے سنا کہ وتر تین (رکعات) ہیں۔

دلیل نمبر۱۵:

عَن سَعِيدِ بنِ جُبَيرٍ أَنَّهُ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن أبي شيبة، من كان يوتر بثلاث:۲/۹۰)

حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ وہ وتر تین پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر۱۶:

عَـن أَبِـی إِسـحَـاقَ قَـالَ: كَـانَ أَصحَابُ عَلِيٍّ وَأَصحَابُ عَبدِ اللَّهِ لَا يُسَلِّمُونَ فِي رَكعَتَيِ الوَترِ.(مصنف ابن أبي شيبة،من كان يوتر بثلاث:۲/۹۰)

حضرت ابواسحاقؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے (بلکہ تیسری رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے)۔

دلیل نمبر۱۷:

عَنِ الحَسَنِ قَالَ: أَجمَعَ المُسلِمُونَ عَلَى أَنَّ الوَترَ ثَلَاثٌ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ.

(مصنف ابن أبي شيبة، من كان يوتر بثلاث:۲/۹۰)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تمام سلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین ہے اور سلام ان تین کے آخر میں ہے۔

دلیل نمبر۱۸:

عَن عَلقَمَةَ قَالَ: الوَترُ ثَلَاثٌ.

(مصنف ابن ابی شیبة،من كان یوتر بثلاث:۲/۹۰)

حضرت علقمہؒ سے روایت ہے کہ وتر تین (رکعات) ہیں۔

دلیل نمبر۱۹:

عَن أَبِی غَالِبٍ قَالَ: كَانَ أَبُو أُمَامَةَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ.

(مصنف ابن ابی شیبة،من كان یوتر بثلاث:۲/۹۰)

حضرت ابی غالبؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوامامہؓ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے۔

دلیل نمبر۲۰:

أَنَّ عُمَرَ دَفَنَ أَبَا بَكرٍ لَيلًا ثُمَّ دَخَلَ المَسجِدَ فَأَوتَرَ بِثَلَاثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبة،من كان يوتر بثلاث:٢/٨٩)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رات کے وقت دفن کیا پھر مسجد میں داخل ہو کر تین (رکعات) وتر پڑھا۔

دلیل نمبر ۲۱:

عَنِ ابنِ عمرعن رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قال: صَلَاةُ المَغرِبِ وِترُ صَلَاةِ النَّهَارِ فَأَوتِرُوا صَلَاةَ اللَّيلِ.(مسند احمد:٤/٤٢٠)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مغرب کی نماز دن کے وتر ہے۔اس لیے تم رات کی نماز کو وتر بنادو۔

دلیل نمبر ۲۲:

عَن عَبدِ اللّٰهِ بنِ مَسعُودٍؓ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: وِترُ اللَّيلِ ثَلَاثٌ كَوِترِ النَّهَارِ صَلَاةُ المَغرِبِ.(دارقطنی:٢/٣٤٩)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: رات کے وتر تین (رکعات) ہیں،جس طرح دن کے وتر مغرب کی نماز ہے۔

نظر بد کا نبوی علاج

بخاری،ترمذی،ابوداؤد اور طبرانی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو ان کلمات سے دم کرتے تھے:

"أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ".

اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ بھی اسی طرح اسماعیل واسحاق علیہما السلام کو دَم کیا کرتے تھے۔

﴿بزمِ طلبہ﴾

اُف یہ مہنگائی!

متخصص: عبداللہ حیات

کچھ دن پہلے عوامی گاڑی میں اپنے گاؤں جا رہے تھے، ساتھ ساتھ آپس میں گپ شپ بھی لگا رہے تھے کہ اتنے میں ہمارا مطلوبہ اسٹاپ پہنچ گیا۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی، سب دوست گاڑی سے اترے اور معمول کے مطابق کرایہ دے دیا، مگر یہ کیا! ڈرائیور ہم کو ایسے گورنے لگا جیسے ہم نے گاڑی کا نقصان کیا ہو، آنکھیں تو اس وقت کھل گئیں جب ڈرائیور نے ڈبل کرایہ مانگا۔ ابھی جاتے ہوئے جتنا کرایہ دیا، آتے ہوئے اس کا ڈبل ہو گیا۔

عجیب سا ماحول بنا ہے، حکومتی سطح پر مہنگائی کا جو طوفان برپا ہے وہ تو ہے ہی، عوامی سطح پر بھی کچھ کم نہیں۔ ہم نے تو دنوں کے حساب سے مہنگائی دیکھی تھی، مگر گھنٹوں اور منٹوں کے حساب سے مہنگائی شاید پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ ظلم صرف کرایوں میں نہیں، بلکہ ہر چیز کی یہی حالت ہے۔ ابھی تو کوئی چیز دوبارہ آدھے گھنٹہ بعد خریدتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے کہ شاید مہنگی نہ ہوئی ہو۔ سبزی منڈی جائیں تو سبزیوں کی قیمت پوچھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ آٹے، گھی؛ غرض ہر چیز کی قیمت ہوا سے باتیں کرتی ہے۔ پہلے سنتے تھے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون ہوتا ہے، لیکن اس محاورے کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا، اب اس کا مطلب بھی اچھی طرح سے سمجھ میں آ گیا۔

ہمارے ہاں جو بھی حکمران آتا ہے تو لوگ پچھلے حکمران کو دعائیں دینے لگتے ہیں۔ ابھی تین سال پہلے سارے لوگ خوش تھے کہ ہم نے نیا پاکستان بنانا ہے، جہاں ہر چیز سستی ہو گی، ہر قسم کی سہولت موجود ہو گی۔ ایک سال گزرا نہیں تھا کہ مہنگائی سے سب کی چیخیں نکل گئیں۔ بڑی مشکل سے تین سال گزرے، سارے لوگوں کو پرانے پاکستان کی یاد ستانے لگی، اس لیے سب نے مل کر پرانے پاکستان میں واپس آنے کا فیصلہ کیا، لیکن یہاں تو نئے پاکستان سے بھی زیادہ مہنگائی ہے۔ ہر چیز کی قیمت بڑھ گئی ہے۔

ان مشکل حالات میں صرف حکومت سے گلہ کرنا مسئلے کا حل نہیں۔ان حالات سے نمٹنے کے لیے،ہم درج ذیل مثبت اقدامات اٹھاسکتے ہیں:

(۱) ہم سب کو من حیث القوم قناعت سے کام لینا چاہیے۔شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں خصوصاً اسراف وتبذیر سے بچا جائے اور تعیش کی چیزوں کو چھوڑ دیں۔اس سے اشیا کی طلب میں کمی آئے گی تو قیمتیں بھی متوازن ہو جائیں گی۔

(۲) بعض چیزوں کی طرف حکومت نے توجہ دی ہے اور ان کی قیمتوں میں کچھ کمی بھی کی ہے،لیکن ہمارے پرچون فروش دکاندار حضرات قیمت میں کمی کرنے کو بالکل تیار نہیں ہوتے۔ان دکانداروں کو خود سمجھا دیا جائے یا متعلقہ محکمے کو اطلاع دی جائے،تاکہ حکومت کے مثبت اقدامات کا اثر عوام تک پہنچے۔

(۳) ہر شخص یہ عہد کرے کہ ان مشکل حالات میں کسی انسان کا بھی حق نہیں کھاؤں گا۔نہ کسی سے رشوت لوں گا،نہ ناجائز منافع خوری کروں گا اور نہ ہی کسی اور کو اپنا حق کھانے دوں گا۔اپنی بساط کے مطابق اس وعدے پر عمل کرنے سے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔اور کچھ بھی فائدہ نہ ہو تو کم از کم ہم تو ظالم بننے سے بچ جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں ظالم بن جاؤں یا مجھ پر ظلم کیا جائے (یعنی مظلوم بن جاؤں)۔

تا قیامت ستر ہزار فرشتوں کا استغفار:

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا کہ جس شخص نے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًا عَنْهُ رَبَّنَا

پڑھا تو گویا اس نے اس حمد کے ساتھ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے،سب کچھ مانگ لیا،اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے اس حمد کے بدلے ستر ہزار نیکیاں لکھیں گے۔ستر ہزار درجات بلند کریں گے اور اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کریں گے جو اس کے لیے روز قیامت تک استغفار کریں گے۔(مستند مجموعہ وظائف)

﴿اخبارِ جامعہ﴾

جامعہ کے شب وروز

مولانا امجد علی حقانی

ماھانہ تعلیمی جائزہ :

جامعہ کے تعلیمی سال نمبر 13 کا پہلا تعلیمی جائزہ 2 جولائی بروز بدھ لیا گیا۔طلبہ نے محنت اور لگن کے ساتھ حصہ لیا، بعد میں طلبہ کے سامنے اس کا نتیجہ پیش کیا گیا۔دوسرا ماہانہ تعلیمی جائزہ سترہ اگست کو طے شدہ ہے۔

تعطیلات عید الاضحیٰ:

7 جولائی 2022ء سے 22 جولائی تک جامعہ میں عید الاضحیٰ کی تعطیلات ہوئیں۔چھٹیوں کے اختتام پر طلبہ کرام جمعہ کے دن بوقت عصر دوبارہ جامعہ میں حاضر ہوئے اور اگلے دن باقاعدہ اسباق شروع ہوئے۔

سفر حج:

جامعہ کے استاد حدیث حضرت مولانا شہریار احمد مدنی صاحب اور شعبہ تخصص کے آئین پاکستان کے استاد جناب حیات خان ایڈوکیٹ حج کے مبارک سفر پر گئے تھے۔اللہ تعالیٰ تمام حجاج کرام کا حج اور اُن کی دعائیں قبول فرمائیش۔آمین!

مہمان کی جامعہ آمد:

15 /اگست 2022ء بروز پیر حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب مدظلہ العالی کی جامعہ میں تشریف آوری ہوئی۔موصوف پیر طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند (نوراللہ مرقدہ) کے خلیفہ مجاز ہیں۔محترم مہمان نے جامعہ میں طلبہ اور اساتذہ کے سامنے روحانی تربیت کے حوالے سے بیان کیا اور حاضرین کو قیمتی نصائح سے نوازا۔اللہ تعالیٰ آپ کے عمر،علم،تقویٰ اور جہد میں مزید برکت عطا فرما کر فیوضات عام فرمائے۔آمین